''اچھا اچھا نہیں کھاتی۔'' اس نے تو گھبرا کے ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ لیے تھے۔ ڈور بیل بجی تو زمر باہر کی طرف بڑھ گئی۔

''حنین!'' زمر واپس آئی تو اس کا چہرہ سنجیدہ سا تھا۔ حنہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''کون ہے؟''

''حنین میری بات غور سے سنو!'' وہ سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔ ''اگر میں یہ نہ کرتی تو ہاشم کر دیتا اس لیے میں نے سوچا کہ میں ہی کر دوں۔''

''باہر کون ہے؟'' حنہ کا ماتھا ٹھنکا۔

''وہ جو بھی ہے اور اس کے پاس جو کچھ بھی ہے اگر تم چاہو تو ہم اس کو روک سکتے ہیں۔ تمہیں ملک سے باہر بھجوا دیں گے۔ لیکن اگر تم اسے وصول کرنا چاہو تو....'' زمر کی آواز پسِ منظر میں چلی گئی۔ حنین بالکل سُن سی کھڑی رہ گئی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ باہر کون تھا۔ وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

''حنین... مجھے نہیں پتہ تھا وہ آج ہی آ جائے گا۔ پہلے سوچ لو۔'' زمر فکرمندی سے کہہ رہی تھی مگر حنین کے کان' آنکھیں' سب بند ہو چکا تھا۔ وہ ہوا میں قدم رکھ رہی تھی' بادلوں پہ چل رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ پورچ خالی تھا۔ وہ گیٹ تک آئی اور چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

سامنے کورٹ کا ملازم کھڑا تھا۔ ''حنین یوسف خان آپ ہیں؟'' اس نے نام پڑھ کر دہرایا

حنین نے بنا پلک جھپکے سر اثبات میں ہلایا۔ اس کا بدن دھیرے دھیرے کانپنے لگا تھا۔ ملازم نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

''You are being served.'' حنین نے کپکپاتے ہاتھوں سے کاغذ تھاما اور پھر قلم سے اس جگہ دستخط کرنے لگی جہاں وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ کو اس درج کی گئی تاریخ پہ کورٹ میں پیش ہونا ہے۔ آپ کو بطور گواہ طلب کیا گیا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا اور حنین اس کاغذ کو پڑھ رہی تھی۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

ماضی کو دفن کر کے شہد کی مکھی نے راستہ بھی بدل لیا تھا' رنگوں اور خوشبوؤں سے بھرے رس سے اپنی زندگی کو سجانے بھی لگی تھی' دل کو شفا بھی مل رہی تھی' لیکن آج معلوم ہوا تھا کہ.... ہاشم اور حنین کی کہانی ابھی باقی تھی۔

دھوپ میں کھڑی لڑکی نے حکم نامہ پکڑے ہوئے' آنکھیں کرب سے بند کر لیں۔ آخر کب ختم ہو گی ان بے لذت غلطیوں کی داستان؟

.....❖❖❖.....

سنا ہے شہر میں زخمی دلوں کا میلہ ہے ..... چلیں ہم بھی مگر پیرہن رفو کر کے

گالف کلب کے سرسبز میدان دور تک پھیلے نظر آتے تھے۔ اندرونی سٹنگ ایریا میں رکھی کرسیوں پہ بیٹھی خواتین بے فکری سے باتیں کرتی نظر آ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک جواہرات کا دار بھی تھی جو بظاہر مسکراتی مسلسل بولتی خاتون کو سن رہی تھی اور اضطراب سے گلے کا لاکٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ قریب میں دو مستعد گارڈز ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

''ویسے جواہرات یہ تمہاری عمر نہیں تھی' ریٹائرمنٹ کی۔ اب تو تم کسی ایگزیکٹو گیدرنگ میں نظر تک نہیں آتیں۔'' ایک بھورے سنہری بالوں والی عورت شکوہ کر رہی تھی۔

''اور یہ Paranoia!'' دوسری نے ناک سکوڑ کر گارڈز کی طرف اشارہ کیا۔ ''تمہیں ہر وقت ان کی موجودگی سے الجھن نہیں ہوتی؟''

''جتنا اعلیٰ خاندان' اتنے ہی سیکیورٹی تھریٹ!'' جواہرات نے بظاہر بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''ہاں مگر لوکیشن کو گارڈ کرنا زیادہ بہتر ہے' پرسن کو گارڈ کرنے سے۔ان کو سارا ایریا کور کرنا چاہیے' نہ کہ تمہارے سر پہ کھڑے ہو کے ہماری باتیں سننی چاہئیں۔'' ایک ذرا ہنس کر طنزاً بولی۔ جواہرات نے بہت سے کڑوے گھونٹ مسکرا کر اندر اتارے۔

''ان کو ہوشیار رہنا پڑتا ہے عائلہ' کہ کہیں کوئی فرسٹریٹیڈ سوشلائیٹ اپنے botox gone wrong کا غصہ میرے کھانے میں زہر ملا کے نہ اتارے' یا کوئی....'' دوسری خاتون کا چہرہ دیکھا۔''زیادہ فرسٹریٹیڈ aging عورت اپنے شوہر کے اس کی فنانشل ایڈوائزر سے چلتے افیئر سے تنگ آ کر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔Paranoia؟ اونہوں۔سیکیورٹی تھریٹ!'' مسکرا کے اس نے گلاس اٹھایا اور چیئرز کے انداز میں اوپر لہرایا' مگر دونوں متعلقہ خواتین کے چہرے سیاہ پڑ چکے تھے' کوئی گلاس نہ ٹکرایا تو وہ مسکرا کے اپنے مشروب کے گھونٹ بھرنے لگی۔اس کا اندر ابھی تک جل رہا تھا۔

ان سے دور....قصرِ کاردار میں ہاشم اپنی اسٹڈی میں بیٹھا تھا۔گھر کے کپڑوں میں ملبوس' شرٹ کی آستین اوپر چڑھائے' وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔دو انگلیوں کے درمیان سگریٹ دبا تھا جسے وہ ہولے ہولے ایش ٹرے پہ جھٹک رہا تھا۔اس کی آنکھیں اداس تھیں اور جیسے دور کہیں قید ہو چکی تھیں۔چہرے پہ عجب مردنی چھائی تھی۔

تبھی دروازہ کھلا اور رئیس اندر داخل ہوا۔دن کے باوجود اتنا اندھیرا تھا کہ اسے چند لمحے لگے ہاشم کو دیکھنے میں۔پھر وہ کھنکھارا۔

''سر؟''

''اس کا موبائل واپس رکھ دیا؟'' وہ بھاری کھوئی کھوئی سی آواز میں بولا تھا۔اس کے چہرے کے سامنے دھوئیں کے مرغولے رقص کرتے اڑ رہے تھے۔

''جی سر!''

''کیا فارس غازی کا نام جنوری اور فروری میں سری لنکا کا سفر کرنے والوں کے نام میں شامل ہے؟''

''نہیں سر۔اس کی سفری دستاویزات کہیں بھی موجود نہیں۔''

''اس کا چہرہ تو ہے نا۔اس کی تصویر سے چیک کرو۔'' وہ اب ایش ٹرے پہ سگریٹ جھٹکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''اس نے کہا تھا وہ کولمبو گیا تھا۔کولمبو جانے والے ہر پاکستانی کی سفری دستاویزات سے اس کا چہرہ میچ کرو۔ہمارے ایئر پورٹ سیکیورٹی فورس کے کانیکٹس تمہاری مدد کریں گے۔اگر اس کا چہرہ کہیں نظر آتا ہے تو دیکھنا....'' اس نے سرخ پڑتی متورم سی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔''کہ اس کے ساتھ ہارون عبید کا کوئی ملازم تو نہیں ہے؟ یا کوئی ایسا شخص جس کا تعلق ہارون یا آبدار سے ہو۔مجھے ایک ایک بات معلوم کر کے دو' خاور!''

''رئیس' سر!'' اس نے دھیرے سے تصحیح کی۔ہاشم نے نہیں سنا۔وہ اب اسی منہمک انداز میں سگریٹ جھٹک رہا تھا۔راکھ سی راکھ ایش ٹرے میں بھرتی جا رہی تھی یا شاید یہ اس کی سانسیں تھیں جو راکھ میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

.....❖❖❖.....

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے ..... میں کہ صحرا نظر آتا تھا' سمندر نکلا

فوڈلی ایوارڈ آفس کی بالائی منزل کی شیشے کی دیوار سارے زمانے کی روشنی اندر لے آئی تھی۔ہال کمرہ پورا منور سا تھا۔ایک طرف ایک چینی نقوش کی حامل درمیانی عمر کی چینی عورت بیٹھی ایک کمپیوٹر اور ٹیبلیٹ سامنے رکھے کام کر رہی تھی۔اس کے سر پہ کھڑا سعدی بار بار اس کو انگریزی میں لقمے دے رہا تھا۔

''نہیں' یوں نہیں۔کمان کی طرح آئی بروز بناؤ۔ہاں اس طرح۔اور ناک ذرا....'' دفعتاً اس نے سر اٹھا کے سامنے کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھے فارس اور احمر کو دیکھا جو کافی پیتے نظر آ رہے تھے اور احمر کو مخاطب کیا۔

''اس کو اردو نہیں سمجھ آتی؟''

''بالکل بھی نہیں۔'' اس نے گویا تسلی کروائی۔ سعدی سر ہلا کے اس کی اسکرین کو دیکھنے لگا۔ وہ باوجود کوشش کے جاب پہ دوبارہ اپائنٹ نہیں کیا جا رہا تھا۔ دو دفعہ جوائننگ کروا کے اسے گھر واپس بھیج دیا گیا تھا۔ سرکاری رکاوٹوں کا بہانہ۔ ہونہہ۔

ادھر احمر سفید ٹی شرٹ پہنے' سر پہ الٹی پی کیپ رکھے عام دنوں سے مختلف لگ رہا تھا۔ فارس نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

''تمہاری مالکن تمہیں اس حلیے میں برداشت کر لیتی ہے؟''

''اور ان کو تمہیں یوں دیکھ کے فلو نہیں ہوتا؟'' مسکراہٹ دبائے کہتا سعدی فارس کے ساتھ کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ اب وہ دونوں ساتھ تھے' اور احمر ان کے مقابل۔ چینی عورت لاتعلق سی اپنا کام کر رہی تھی۔

''آہم!'' احمر کھنکھارا۔ مگ نیچے کیا۔ ''ہاشم صاحب نے مجھے.... آ.... میری خدمات کو سراہتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ میں ان کے لئے ظاہر ہے اتنا کام کر چکا ہوں تو اب مجھے اپنی فری لانس جابز دوبارہ سے کر لینی چاہیے ہیں تو انہوں نے مجھے....''

''فارغ کر دیا ہے' ہے نا؟'' فارس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''اور تمہارا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا ہے؟'' سعدی نے لقمہ دیا۔

''اور تمہیں ان تین کپڑوں میں سڑک پہ دھکیل دیا ہے؟'' فارس کہنے کے ساتھ ہنس دیا تھا۔ احمر نے سنجیدگی سے کہنا چاہا۔

''انہوں نے بہت سلیقے سے میرا استعفیٰ وصول کیا' میرے چیک کلیئر کیے اور....''

''اور پھر تمہیں باہر دھکیل دیا۔ ہاہاہا۔'' وہ گردن پیچھے پھینک کے دل کھول کے ہنسا تھا۔ سعدی بھی مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگا۔

''ایکسکیوزمی' اتنا فنی کیا ہے اس میں؟'' احمر دانت پہ دانت جمائے خفگی سے بولا تھا۔ فارس نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا' پھر سعدی کی طرف چہرہ موڑے کہنے لگا۔

''یار مجھے کوئی چند دن پہلے جاب لیس کہہ رہا تھا۔''

''اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ وہ کاردارز کے ساتھ کام کر کے بہت پیسہ بنا رہا ہے....'' سعدی تیزی سے بولا۔

''اور یہ کہ ہم اس کی ترقی سے جل رہے ہیں....''

''اور میں نے سنا ہے وہ کاردارز کے لئے کیے گئے اپنے سارے کام جسٹفائی بھی کر رہا تھا۔'' سعدی اس کے فقرے مکمل کر رہا تھا۔

''اور میں نے اسے کہا کہ کاردارز کی نوکری چھوڑو کیونکہ یہ تمہیں اس طرح ایک دن پھنسا دیں گے....''

''تو اس نے کہا کہ وہ خاور کی جگہ لے چکا ہے اور اپنی پیاری مالکن کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے۔''

''اور وہ بڑی ڈیزائنر شرٹس اور سلک ٹائی پہننے لگا تھا۔''

''جوتے بھی بڑے چمکدار ہوتے تھے ماموں' ہمیں تو اپنی شکلیں بھی ان میں صاف نظر آتی تھیں!''

''اور.... آہ.... آج وہ بھی جاب لیس ہے۔''

''بالکل ہماری طرح!'' اور وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے قہقہہ لگا کے ہنس پڑے تھے۔ اتنے عرصے بعد سعدی اتنا کھل کے ہنسا تھا۔

احمر نے یہ ساری بکواس بہت خاموشی سے سنی اور برداشت کی تھی۔ پھر بہت تحمل سے بولا۔ ''تھینک یو ویری مچ غازی' بہت نوازش آپ کی۔ لیکن میں ان کی جاب ویسے ہی چھوڑ دیتا' میرا مقصد تو پورا ہو چکا تھا۔''

''یار سعدی وہ کیا چیز تھی کھٹی سی اس کہانی میں!'' وہ تھوڑی کو ناخن سے رگڑتے مسکراہٹ دبائے سعدی سے پوچھنے لگا۔

''انگور' ماموں' انگور!'' وہ اب آخری گھونٹ بھر رہا تھا۔

''ہاں صحیح۔ اچھا تم کیا کہہ رہے تھے؟'' پھر احمر کی طرف متوجہ ہوا۔ (سعدی اب رخ پھیر کے بیٹھا چینی عورت کو دوبارہ سے ہدایات دینے لگا تھا۔)

''میں.... کہہ رہا تھا کہ....'' دانت پہ دانت جمائے وہ برداشت سے بولا تھا۔ ''کہ اس آدمی کا پتہ چلا؟ وہ چشمے والا؟''

''صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ وہ ایک گوہسٹ (ghost) ہے۔'' فارس سنجیدہ ہوا۔ احمر توجہ سے سننے لگا۔ ''اس کی تصویر ریکارڈ میں نہیں ہے۔ اس کے فنگر پرنٹ ریکارڈ میں نہیں ہیں۔ وہ عدالت میں داخلے کے وقت جو آئی ڈی کارڈ دکھاتا ہے وہ بھی جعلی ہے۔ میرا خیال ہے یہ وہی آدمی ہے جس نے سعدی کا پاسپورٹ ہاشم کو دیا ہے۔ اور ہمارا میموری کارڈ بھی اس کے پاس ہے۔''

''کیا یہ ہاشم کے لیے کام کر رہا ہے۔'' سعدی نے گردن پھیر کے پوچھا تھا۔

''ہاشم اس کو نہیں جانتا۔'' احمر نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ''اس کے کسی انداز سے شناسائی کی ذرا سی جھلک بھی نہیں دکھتی۔ یہ آدمی کوئی تیسرا فریق ہے۔''

''اور یہ تیسرا فریق ہاشم کی مدد کر رہا ہے' سعدی کو دہشت گرد ثابت کروانے کے لئے۔'' فارس سوچتے ہوئے بولا تھا۔ ''یہ یقیناً ہمارا کوئی دشمن ہے۔''

''میرا تو نہیں ہوسکتا۔ ہاں آپ کے کام ایسے ہوتے ہیں دشمنی والے۔'' سعدی نے شانے اچکا کے کہا تھا۔ فارس نے بس گھور کے اسے دیکھا۔

''وہ صحیح کہہ رہا ہے۔ یہ تمہارا کوئی جیل کا دشمن ہوسکتا ہے۔''

''میں کسی کا چہرہ نہیں بھولتا اور یہ آدمی جیل میں نہیں تھا میرے ساتھ۔''

''تو ہوسکتا ہے یہ کسی اور کے لئے کام کر رہا ہو' مگر زیادہ ضروری یہ ہے کہ تمہارے گھر میں اس کے لئے کون کام کر رہا ہے۔''

''ہمارے گھر میں ایسا کوئی نہیں ہے۔'' سعدی نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ فارس البتہ خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

''سعدی' میں تمہاری فیملی کی بات نہیں کر رہا۔ کوئی ملازم' کوئی ہمسایہ' کوئی کالونی کی کسی شاپ والا' کوئی بھی ہوسکتا ہے یہ۔''

''ہوتو سکتا ہے۔'' فارس نے کہا تو سعدی نے قدرے برہمی سے اسے دیکھا۔

''ہمارے گھر میں کم از کم کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے دہشت گرد ثابت کروانے کی کوشش کرے۔ کوئی ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟ ریسٹورانٹ کے ملازم بھی بہت پرانے ہیں' گھر کے ملازموں کی تو بات ہی نہ کریں۔ ہم ان سب کو جانتے ہیں۔''

''جانتے تو ہم ہاشم کو بھی تھے۔'' وہ اداسی سے مسکرا کے بولا تھا۔ سعدی چپ ہوگیا۔

''ٹھیک ہے سعدی' ہم کسی کے بارے میں خواہ مخواہ غلط گمان نہیں کریں گے اب' مگر ہمیں اپنی آنکھیں اور کان اب کھلے رکھنے ہوں گے۔ اوکے! اور یہ مت بھولنا کہ ہم اس سچوئیشن میں اس لئے ہیں کیونکہ تم نے اپنا پاسپورٹ لاپرواہی سے پھینک دیا تھا۔'' وہ سمجھاتے ہوئے بولا تھا۔ سعدی خفیف تھا' سو گردن موڑ کے چینی عورت کا کام دیکھنے لگا۔

''فیس کٹ ذرا گول تھا۔ ہاں کچھ اسی طرح کا۔ نہیں تھوڑا کم کرو۔''

''تو پھر....'' فارس نے مسکراہٹ دبا کے احمر کو دیکھا۔ ''تم آج کل بے روزگار ہو اسٹینی!''

''ہاں بالکل' سوچ رہا ہوں جیل چلا جاؤں' وہاں دو وقت کی روٹی تو مل ہی جاتی ہے۔'' وہ جل کے بولا تھا۔ فارس ہنس کے سر جھٹکتا اپنا موبائل نکال کے دیکھنے لگا۔ سعدی اب چینی عورت کو مزید ہدایات دے رہا تھا اور وہ اسی طرح اسکیچ بناتی جا رہی تھی۔

''سنیئے محترمہ!'' غازی مسکراہٹ دبائے موبائل پہ ٹائپ کرنے لگا۔مخاطب زمرتھی۔''آج رات ڈنر پہ چلیں گی میرے ساتھ؟''

چند لمحوں میں جواب آیا تھا۔''آپ کون؟''

فارس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔''آپ کا نکما' بے روزگار' دو لوگوں کا قاتل' جیل پلٹ شوہر جس نے آپ کی دولت کے لئے آپ سے شادی کی تھی۔آٹھ بجے کی بکنگ کروادوں؟''

''بل کون دے گا؟''

''ظاہر ہے آپ...میں تو کماتا ہی نہیں ہوں۔''

''کروادو۔ہونہہ۔''اور وہ اس کا چہرہ تصور کرسکتا تھا۔سر جھٹک کر لکھتی۔(ہونہہ)۔

''یہی ہے۔بالکل یہی ہے۔''سعدی اب اس عورت کے ساتھ جھک کے کھڑا اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔بالآخر امید نظر آنے لگی تھی۔چینی عورت نے اسکرین کا رخ ان دونوں کی طرف پھیرا تو وہ بھی غور سے دیکھنے لگا۔وہاں ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کا چہرہ نظر آتا تھا۔اسکن ٹون بھی مناسب حد تک بھری جا چکی تھی' اور وہ اسکیچ کسی اصلی تصویر کے قریب قریب ہی تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ اس کے نقوش ایسے ہی تھے؟''فارس نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔سعدی نے پورے وثوق سے سر اثبات میں ہلایا۔

''اس کا نام ڈاکٹر مایا تھا' وہ روز میری پٹی کے لئے آتی تھی اور گڈ کاپس جیسی باتیں کرتی تھی۔مجھے اس کی شکل یاد ہے۔90 فیصد یہی شکل تھی اس کی۔اب کیا کرنا ہے ہمیں؟ اس اہم گواہ کو کیسے ڈھونڈنا ہے؟''

''اگر تو وہ پاکستانی ہوئی تو مل جائے گی۔''احمر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''وہ پاکستانی ہی تھی۔جتنی اردو اس کی صاف تھی' اور جتنی جلدی وہ مجھے بات بات پہ antibiotic کے کورس پہ لگا دیتی تھی' وہ پاکستانی ڈاکٹر ہی تھی۔''وہ بہت سنجیدگی سے بولا تھا۔''اسے ہاشم یہاں سے لے کر گیا تھا۔دوبارہ وہ نظر نہیں آئی۔یقیناً واپس آ گئی ہوگی۔لیکن تم اسے کیسے ڈھونڈو گے احمر؟''

''بالخصوص اب جب کہ تم جاب لیس ہو۔''فارس نے دھیرے سے فقرہ مکمل کیا۔احمر نے صرف ایک تند و تیز نظر اس پہ ڈالی اور پھر سعدی کو دیکھا۔

''یہ کم عمر لڑکی ہے۔گریجوئیٹ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہوگا۔پی ایم ڈی سی کے پچھلے دس سال کے ریکارڈ میں اسے ڈھونڈ لوں گا میں جب تم یہ رقم...''ایک کاغذ پہ چند ہندسے لکھ کر اسے فارس کی طرف بڑھایا۔''میرے اکاؤنٹ میں جمع کروادو گے' دوسری صورت میں نہ تو تمہیں اس جیسی اسکیچ آرٹسٹ ملے گی' اور نہ ہی یہ جو اسکیچ بنایا ہے اس کا ایک بھی پرنٹ آؤٹ ملے گا۔جس کو بھی ہائر کرو گے وہ ہاشم کو بتا دے گا' سو اب فیصلہ کرنے کے لئے تمہارے پاس دس سیکنڈ ہیں اور وائر ٹرانسفر کے لئے ایک منٹ۔''پھر گھڑی دیکھی۔''59 سیکنڈ....58 سیکنڈ۔''

''اچھا اچھا۔''فارس نے برا منہ بنا کے اسے دیکھا اور موبائل آن کرتے ہوئے اس کاغذ کو پکڑا۔نقوش تن گئے تھے' اور ماتھے پہ بل پڑ گئے۔وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا موبائل پہ بٹن دبانے لگا۔احمر نے ایک دوسرا کاغذ سعدی کی طرف بڑھایا۔

''میری کنسلٹنی فیس جو آپ ادا کریں گے' کیونکہ آن لائن بینکنگ تو آپ کی بھی ایکٹو ہے۔''جب سعدی اسے گھورتا رہا تو اس نے زور دے کر کہا۔''مطلب میں اس اسکیچ کو ڈیلیٹ کروادوں؟''سعدی نے چٹ جھپٹی' اور اسے گھورتے ہوئے موبائل نکالا۔چند لمحے کی خاموشی کے بعد احمر کے موبائل پہ یکے بعد دیگرے دو نوٹیفکیشن موصول ہوئے۔

''اب بے فکر ہو جاؤ۔میں اس لڑکی کو ڈھونڈ لوں گا۔''اس نے چینی عورت کو چلنے کا اشارہ کیا تو وہ کسی روبوٹ کی طرح اٹھی اور باہر

نکل گئی۔ وہ دونوں اسی طرح تندہی سے اسے گھور رہے تھے۔

احمر شفیع نے کافی کا آخری گھونٹ حلق کے اندر انڈیلا مگ سامنے رکھا' اور پھر گہری سانس لے کر مسکرا کر ان کو دیکھا۔

''میں جاب لیس نہیں ہوں۔ فری لانسر ہوں۔ تم لوگوں کے ساتھ ''جاب'' ہی کر رہا تھا جس کی مجھے اچھی بھاری تنخواہ تم دونوں.... میرے دو بے روزگار دوستوں نے دے دی ہے۔ بہت شکریہ۔ اب چلتا ہوں۔'' کالر جھٹک کے کہتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں ابھی تک بالکل چپ ہو کر اسے گھور رہے تھے۔ (پیدائشی فراڈ!)

.....❖❖❖.....

میرا چہرہ میری آنکھیں ہیں سلامت ابھی ..... کون کہتا ہے وضاحت نہیں کی جا سکتی

جواہرات کا ردار اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا چہرہ اہانت سے تمتما رہا تھا، کلب کی عورتوں کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ سن گلاسز پھینکے' ائیر رنگز نوچ کے اتارے۔ پھر اپنے سراپے کو قد آور آئینے میں دیکھا۔ یہ جھریاں' یہ لکیریں' یہ کہاں سے نظر آنے لگی تھیں؟ غصے اور پریشانی سے اس نے گالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ وہ مضطرب تھی' شکست خوردہ تھی۔ وہ کیا کرے؟

کھلے دروازے سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ لاؤنج میں میری ایجیو اور فیبو نا ایک ساتھ کھڑی ہو کر کوئی بات دھیمی آواز میں کر رہی تھیں۔ موضوع یقیناً مالکن کی دلچسپ حالت تھی۔

''یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ جاؤ اپنا کام کرو۔ جاؤ۔'' وہ چلا کر کفن پھاڑ انداز میں بولی تھی۔ میری پلٹ گئی۔ فیبو نا رہ گئی۔

''ہاشم صاحب کا حکم ہے کہ آپ کی طبیعت درست نہیں۔ آپ کو اکیلا نہ چھوڑوں۔ مجھے آپ کے دس میٹر قریب کے دائرہ کار میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے مجھے آپ کے کمرے کے باہر رہنا پڑے گا۔ میں معذرت چاہتی ہوں' میم!'' مگر اس کا انداز معذرت چاہنے والا نہیں تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولی تھی اور لبوں پہ مسکان جلوہ گر تھی۔

''دفعہ ہو جاؤ' اس سے پہلے کہ میں تمہاری جان لے لوں۔'' وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ چلائی تھی۔ فیبو نا نے ادب سے سر کو خم دیا اور اس کے دروازے کے ساتھ رکھے اسٹول پہ جا بیٹھی۔ اس کا انداز فاتحانہ تھا۔ جو کرنا ہے اب کر لو۔

جواہرات اس پہ جھپٹنا ہی چاہتی تھی' گویا اسے ناخنوں سے نوچ کھائے گی مگر اوپر سے زینے اترتا نوشیرواں نظر آیا تو وہ رکی۔ وہ بے زار سا' رف حلیے میں نیچے آتا دکھائی دے رہا تھا۔

''شیرو۔'' وہ آنکھوں میں آنسو بھرے اس کی طرف لپکی۔ وہ آخری زینے تک پہنچ گیا تھا۔ ایک بے زار نظر اس پہ ڈالی۔ ''آپ کو کیا ہوا

''دیکھ رہے ہو تمہارا بھائی کیا کر رہا ہے میرے ساتھ؟'' اب اسے پرواہ نہ تھی کہ کون سنتا ہے' کون نہیں۔ ''وہ مجھے سزا دے رہا ہے۔ وہ مجھے اذیت دے رہا ہے۔ میرا قصور کیا ہے؟ میں نے صرف وہی کرنا چاہا جس سے اس کے مسئلے کم ہوں۔''

''تو میں کیا کروں ممی؟'' وہ اس کے قریب سے گزر کے آگے بڑھ گیا۔ اور سینٹر ٹیبل سے ریموٹ اٹھا کے ٹی وی آن کیا۔ دیوار پہ نصب دیو ہیکل اسکرین چمک اٹھی۔ جواہرات ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کے جلدی جلدی بولی۔ ''تم اس سے بات کرو۔ اس سے کہو کہ وہ اپنا رویہ بدلے۔''

''بھائی میری نسبت آپ کی زیادہ مانتا ہے ممی۔ آپ دونوں کا آپس میں زیادہ اچھا رابطہ ہے۔ مجھے پٹوانا ہو' یا علیشا کے شنیز واپس خرید کے مجھے کمپنی سے کک آؤٹ کرنا ہو' ہر چیز آپ دونوں جیسے پہلے طے کرتے تھے' ویسے ہی کر لیں۔''

''نوشیرواں.... میں تمہاری ماں ہوں۔'' وہ بے یقینی سے چلائی تھی۔

''اور آپ نے مجھے یہی سکھایا ہے۔'' وہ ترحم زدہ نظر اس پہ ڈال کے بولا تھا۔'' کہ ہمیشہ اپنا مفاد دیکھو۔ کبھی بڑے بھائی کی غلط باتوں پہ اس کو ٹوکو نہیں۔ بس پیسہ خرچ کرو' سکون سے عیش کرو' بزنس کے معاملات' کس کو کب قتل کرنا ہے' کس کو اغوا کرنا ہے' یہ سب ہمیں ہینڈل کرنے دو۔ آپ نے مجھے کبھی کچھ ہینڈل کرنا سکھایا ہی نہیں۔ کبھی بڑا ہونے ہی نہیں دیا تو اب میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ آپ کا مسئلہ حل کر سکوں۔''

''تم....'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔'' تم اس سے بات تو کر سکتے ہو۔ اس کو اتنا تو کہہ سکتے ہو کہ وہ بے حس نہ بنے۔''

''اسے یہ سب کچھ آپ نے بنایا ہے۔ ظالم' بے حس۔ اب اس کا دل پتھر کا ہو چکا ہے۔ اب اسے کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ بھائی کو پتھر کا مجسمہ آپ نے بنایا ہے۔ سنگِ مرمر کی طرح اس کو رگڑ رگڑ کے پالش کیا ہے۔ یہ چمکتے ہوئے پتھر سب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں ممی۔ میں آپ کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا' کیونکہ مجھے کچھ کرنا آتا ہی نہیں ہے۔ میں ایک ٹوٹل Failure ہوں' اور اب جب کہ میں اپنی روشنی ڈھونڈنے جا رہا ہوں تو مجھے اتنا خود غرض بنا دیا ہے ان گزرے سالوں میں آپ نے کہ میں خود اکیلا ہی منور ہونا چاہتا ہوں۔ آپ دونوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ مجھے معاف رکھیں اپنے معاملوں سے۔ ہم Yousufs نہیں ہیں' چھوٹے گھر میں رہنے والے عام لوگ نہیں ہیں ہم جن کا بچہ بچہ اپنے مسئلے خود حل کر سکتا ہے۔ میں نہیں کر سکتا۔ جانتی ہیں کیوں؟'' وہ کہہ رہا تھا اور اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔'' کیونکہ کٹھن وقت میں اپنے مسئلے صرف وہی شخص خود حل کر سکتا ہے جو اچھے وقتوں میں دوسروں کے مسئلے حل کرتا آیا ہو۔ ان کی ماں نے ان کو دوسروں کے مسئلے دور کرنا سکھایا ہے' اور میں تو کسی قابل نہیں ہوں۔ مجھے آپ نے کبھی کسی قابل ہونے ہی نہیں دیا۔'' سر جھٹک کے اس نے ٹی وی بند کیا اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات بے بسی سے آنکھوں میں آنسو لئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

❖❖❖

بولوں گا جھوٹ تو مر جائے گا ضمیر ..... کہہ دوں اگر میں سچ تو مجھے مار دیں گے لوگ

اس پرسکون سی کالونی میں سبز بیلوں سے ڈھکے مورچال کے اندر تناؤ زدہ ماحول چھایا تھا۔ لاؤنج کے ایک کونے میں فارس اور سعدی آمنے سامنے کھڑے تھے' اور سعدی برہمی سے کہہ رہا تھا۔'' میری بہن گواہی نہیں دے گی۔ اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟''

''سعدی' زمرا سے نہیں بلائے گی تو ہاشم اسے بلائے گا۔ اسے پیش ہونا پڑے گا۔'' فارس اس کو دھیمی آواز میں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں بے غیرتوں کی طرح اس کو بے عزت ہوتے دیکھوں؟ وہ آدمی ہر طرح کے سوال پوچھے گا۔'' سعدی کا چہرہ گلابی پڑ رہا تھا اور وہ بار بار نفی میں سر ہلاتا تھا۔

''آہستہ بولو۔ تمہاری امی سن لیں گی تو ان کو کیا وضاحتیں دیتے پھرو گے۔'' اس نے دبی آواز میں جھڑکا تھا۔ ندرت کچن میں کھڑے ہو کے چولہا اپنی نگرانی میں حسینہ سے صاف کروا رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ لاؤنج کے پرلے کونے میں کھڑے وہ دونوں کس بات پہ بحث کر رہے تھے اور زمر اندر کمرے میں حنین کو کن سوالات کی تیاری کروا رہی تھی۔ وہ زخمی تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔'' یہ اولاد کیا سمجھتی ہے؟ ماں کچن میں مصروف ہے اور باپ دفتر میں تو ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا؟ اس اولاد کو کون سمجھائے کہ ماں باپ کو ان کی رگ رگ کی خبر ہوتی ہے۔ یہ رات کو کمبل میں موبائل جلا کے کیا کر رہے ہیں' یا باتھ روم موبائل ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں' کس کتاب میں رکھ کے کون سا رسالہ پڑھتے ہیں' سب طرف نظر ہوتی ہے ماں کی۔ ماں کے سینے میں کتنے راز دفن ہوتے ہیں' یہ بچے کب جان پائیں گے آخر؟ بس جب نظر آ رہا ہو کہ بچہ بگڑ رہا ہے تو ہر وقت کی روک ٹوک سے معاملہ خراب کرنے کی بجائے اسے مزید توجہ اور پیار دینے کی کوشش کرتے ہیں میرے جیسے والدین۔ اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کو پلٹا لائے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ماں کو کبھی نہیں پتہ چلے گا کہ کیا کیا گل کھلائے ہیں انہوں

نے۔ بے غیرت نہ ہوتو۔) وہ ساتھ ساتھ چیزیں اٹھا پٹخ بھی کر رہی تھیں۔

''میں پھر ساعت پہ نہیں آؤں گا۔'' وہ خفا اور برہم سا کہہ رہا تھا۔ فارس نے مزید کوفت سے اسے دیکھا۔ ''مطلب اپنی بہن کو اکیلا کر دو گے؟ اس سے ہاشم کو کیا پیغام ملے گا' ہاں؟'' سعدی خاموش ہو گیا مگر ابرو ہنوز بھنچے ہوئے تھے۔

اوپر حنین کے کمرے میں آؤ تو وہ بیڈ پہ سر جھکائے اکڑوں بیٹھی تھی۔ ہاتھ باہم پھنسائے' وہ لب کاٹے جا رہی تھی۔ سامنے کرسی پہ بیٹھی زمرنوٹ پیڈ ہاتھ میں لئے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ کھنکھاری۔ ''ایک دفعہ پھر سے شروع کرتے ہیں۔ لیکن تم نے اب نہیں رونا۔ اگر فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس سب کا سامنا کرو۔'' حنین نے جھکے چہرے کے ساتھ گیلی آنکھیں رگڑ لیں۔

''مجھے اندازہ ہے کہ ہاشم کی اپروچ کیا ہو گی۔ دیکھو تم میری گواہ ہو' جب حلف لو گی تو میں پہلے سوال کروں گی۔ اسے Examination in chief کہتے ہیں۔ پھر وہ آئے گا اور تم سے جرح کرے گا (جرح کو کراس کرنا کہتے ہیں) اور ضروری نہیں کہ ان سوالوں کا تعلق میرے سوالوں سے ہو۔ وہ تمہارا کردار مسخ کرنے کی کوشش کرے گا....'' (حنین نے کرب سے آنکھیں بند کیں) ''تمہاری کریڈیبلٹی کو ٹھیس پہنچائے گا' تم نے جواب میں صرف سچ بولنا ہے۔ عزت صرف سچ دلایا کرتا ہے۔ محتاط سچ۔ پھر میں دوبارہ تمہیں re-exmanie کر سکتی ہوں لیکن اب میں صرف ان باتوں کی وضاحت کے لئے سوال کر سکتی ہوں جو اس نے پوچھی تھیں۔ نئی بات نہیں ایڈ کر سکتی۔ پھر وہ دوبارہ میری بات کا تاثر زائل کرنے کے لئے کوئی بھی سوال پوچھ سکتا ہے۔ اسے re-cross کہتے ہیں۔'' حنین کچھ نہیں بولی' چہرہ جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

''میں تم سے سوال پوچھ چکی ہوں' تم جو جانتی تھی کاردارز کے بارے میں' سب بتا چکی ہو' اب سمجھو کہ میں ہاشم کاردار ہوں اور میں یہاں تمہیں cross کرنے لگی ہوں۔ او کے!''

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ نظریں اب بھی جھکی تھیں۔

''حنین یوسف خان۔'' زمرنوٹ پیڈ کو دیکھ کر بولی۔ ''ملزم نوشیرواں کاردار کو آپ کتنے عرصے سے جانتی ہیں؟''

''تقریباً آٹھ سال سے۔'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''اور یقیناً آپ مجھے بھی جانتی ہوں گی؟'' حنہ نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ ایک دم لگا وہ کٹہرے میں کھڑی ہے اور سامنے قیمتی سوٹ میں ملبوس' تیز پرفیوم کی خوشبو سے مہکتا ہوا وہ کھڑا ہے اور مسکرا کے اسے دیکھ رہا ہے۔

''جی!'' اس کی آواز پست تھی۔ دل کانپا تھا۔

''ابھی آپ نے کہا کہ آپ کئی ماہ سے میرے خاندان کی اصلیت سے واقف تھیں' لیکن کیا آپ نے میرے منہ پہ مجھے کبھی ایسی بات کہی؟''

''نہیں!'' اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ''مجھے دیر سے پتہ چلا تھا۔''

''کتنا دیر سے؟ کیونکہ کیا یہ درست نہیں ہے کہ کئی ماہ آپ مجھ سے واٹس ایپ پہ رابطے میں رہی تھیں' دن میں کئی دفعہ میسیج کرتی تھیں؟''

''یہ درست ہے مگر مجھے اس وقت آپ کی اصلیت نہیں پتہ تھی۔''

''اور وہ باتیں آپ اپنی فیملی سے چھپ کے کرتی تھیں۔ کیا معلوم ہونے پہ آپ کی فیملی اس بات کو پسند کرتی؟''

''مجھے نہیں پتہ!''

''اور جیسا کہ آپ نے Examination in chief کے دوران کہا.... ایک جمعے کی دوپہر بریانی کھاتے ہوئے آپ کے گھر

میں' میں نے وہاں بیٹھ کے آپ لوگوں سے معافی مانگی تھی!''

''جی۔آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔''

''حنین' کیا یہ درست ہے کہ آپ ایک بہت اچھی ہیکر ہیں؟''

''جی!''اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔سارے منظر دھندلا رہے تھے۔

''اور کیا آپ کے فیملی اینڈ فرینڈز آپ سے فیورز مانگتے رہتے ہیں؟''

''میں ناجائز کام نہیں کرتی۔''

''چلیں' اپنے دوستوں کو کسی کرائسز سے نکالنے کے لئے اپنی ہیکنگ skills تو آزمائی ہوں گی آپ نے؟''

''جی!''وہ بولی تو زمر کی آواز پسِ منظر میں سنائی دی۔''احمر نے بتایا ہے کہ وہ جانتا ہے اوسی پی صاحب کے بارے میں سب کچھ۔ اب وہ leading سوال پوچھے گا۔''پھر جیسے اسے ہاشم کی آواز سنائی دینے لگی۔ہر سو دھند تھی' اور وہ خود کو کٹہرے میں کھڑا محسوس کر رہی تھی۔

''کیا کبھی کسی بارسوخ عہدے پہ موجود آدمی نے آپ کی خدمات کے لئے آپ سے رابطہ کیا؟''

''جی۔''اس کی آواز کپکپائی۔

''اور کیا مدد مانگی تھی انہوں نے آپ سے؟ اب یہاں حنہ میں آب جیکٹ کروں گی کہ وہ موضوع سے ہٹ رہا ہے مگر جج میرا اعتراض رد کر دیں گے۔پھر تم جواب دو گی۔''

''ان کی بیٹی کی عزت خطرے میں تھی' وہ اس کو بچانا چاہتے تھے۔''

''اور یہ کام کرنے کے لئے آپ نے بدلے میں کوئی فیور مانگا تھا ان سے؟''

''جی۔مانگا تھا۔''

''آپ ان صاحب کا نام اور اس کام اور فیور کی تفصیل کورٹ کو بتائیں گی تا کہ کورٹ کو معلوم ہو سکے کہ آپ کس کردار کی حامل ہیں۔''

''وہ مر چکے ہیں' میں ان کا نام نہیں لے سکتی۔''اس نے ہچکی لی۔

زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔''ایسے نہیں حنہ۔تمہیں جواب دینا ہوگا' لیکن احتیاط سے۔''پھر وہ ٹھہری۔

''آپ ہاشم کا ردار نہیں ہیں۔''وہ ایک دم گیلا چہرہ اٹھا کر بولی تو زمر نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔''اس لئے آپ یہاں سے جائیں۔''

''حنہ' پھر witness prep کیسے کرو گی؟ تمہاری وکیل ہونے کی حیثیت سے....''

''آپ میری وکیل نہیں ہیں۔آپ سعدی یوسف کی وکیل ہیں۔میں اپنی وکیل خود ہوں۔میں اپنا مسیحا خود ہوں۔یہ میری غلطی تھی۔ میں

اسے خود فکس کروں گی۔پلیز آپ جائیں۔''زمر گہری سانس لے کر اٹھ گئی۔باہر آئی تو فارس سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑا تھا۔

''ہمیں اسے دبئی بھیج دینا چاہیے۔''وہ اسے دیکھ کے ناخوشی سے بولا تھا۔سعدی کو جو کہا سو کہا' مگر وہ خود بھی خوش نہیں تھا۔

''میرا بھی یہ خیال ہے۔''وہ آزردگی سے سر ہلا کے رہ گئی۔پھر چونک کے اسے دیکھا۔

''وہ ڈنر....''ابھی یاد آیا۔

''ویک اینڈ پہ۔''وہ تکان سے مسکرایا۔''مگر بل آپ دیں گی۔''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے۔'' وہ خفگی سے آگے بڑھ گئی۔

❖❖❖

ہاتھوں کا ربط حرفِ خفی سے عجیب ہے ..... ہلتے ہیں ہاتھ راز کی باتوں کے ساتھ ساتھ

وہ رات قصرِ کاردار پہ پہلے سے زیادہ ویران اور بوجھل سی اتر رہی تھی۔ لاؤنج میں ٹی وی چلنے کی مدھم آوزیں آ رہی تھیں۔ ایسے میں جواہرات بڑے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ وہ پہلے سے بہت بہتر اور سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ دوا کا اثر تھا' موڈ بھی ٹھیک تھا۔ ساتھ سونیا پیر اوپر کر کے بیٹھی ٹیبلٹ گھٹنوں پہ رکھے' گیم کھیل رہی تھی۔

''ممی!'' دفعتاً اس نے سر اٹھا کے جواہرات کو مخاطب کیا۔ وہ چونکی' پھر مسکرا کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''ہوں۔'' اور نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

''بابا اب اتنے بزی کیوں ہوتے ہیں؟''

''بابا کے کچھ پرابلمز ہیں نا۔ اس لئے۔'' وہ پیار سے بولی تھی۔ سونی چونکی۔ آنکھیں اٹھا کے اسے تعجب سے دیکھا۔ بالکل ہاشم کی آنکھوں جیسی تھیں وہ۔ چمک دار اور ذہین۔

''بابا کے کیا پرابلمز ہیں؟''

''کچھ برے لوگ ہمارے پیچھے پڑے ہیں۔ فارس غازی جیسے۔''

''فارس انکل؟'' سونی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''وہ برے نہیں ہیں۔''

''وہ بہت برے ہو گئے ہیں اب چندا۔ وہ چاہتے ہیں کہ مجھے' تمہیں' تمہارے بابا' شیرو سب کو مار دیں۔ ہمیں جیل میں ڈال دیں۔ وہ ہمارے دشمن بن گئے ہیں۔ انہوں نے ہمارے پلانٹ میں آگ لگوئی' شیرو کو اتنے دن جیل میں قید رکھا' وہ بہت خطرناک ہیں۔''

سونیا حیرت اور تعجب سے اس کو دیکھے گئی۔

''اور بس تم نے ہمیشہ یاد رکھنا ہے کہ تمہارے بابا سب سے اچھے ہیں' اور ان کے دشمن بہت برے۔ کبھی بھی اپنے بابا' مجھے' شیرو کو doubt نہیں کرنا۔ اور اگر کبھی فارس سے ملاقات ہو تو ان سے بات تک نہیں کرنی۔ وہ گندے لوگ ہیں۔ دہشت گرد اور قاتل۔ آئی سمجھ۔''

سونی نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا ننھا دماغ ان باتوں کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ گم صم سی ہو گئی۔

''مس سونیا۔ کھانا کھالیں۔'' فیونا کی آواز آئی تو سونی اٹھ کے اس کی طرف بھاگ گئی۔ فیونا ٹرالی دھکیلتی ڈائننگ ہال میں جا رہی تھی۔ ایسے میں جواہرات نے دیکھا' سونی کا ٹیب وہیں صوفے پہ رکھا تھا۔ جواہرات نے کشن اٹھایا' اس کے اندر ٹیب بھی (اس سمت سے جہاں سی سی ٹی وی کیمرہ اس کو نہیں پکڑ سکتا تھا) اور اسے لئے اندر کمرے میں آ گئی' گویا سونے کے لئے جا رہی ہو۔

دروازہ بند کرتے ہی اس نے ٹیب کھولا' اور تیز تیز کیز دبانے لگی۔ ٹیب کی چمکتی اسکرین کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی اور وہ نیلاہٹ بھری سفیدی سے روشن لگ رہا تھا۔ ایسا نیلا سفید جو زہر سے بھرے وجود کا ہوتا ہے۔

❖❖❖

پھرتے ہیں مثلِ موجِ ہوا شہر میں ..... آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو!

اس صبح یوں لگتا تھا پورا شہر پسینے سے چپ چپ کر رہا ہو۔ ایسے میں جیل کے ملاقاتی ہال میں شدید گھٹن اور حبس محسوس ہوتا تھا۔ باہر کے دونوں اطراف میں انسانوں کی قطاریں لگی تھیں۔ باری باری قیدی اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کر رہے تھے۔

چار سال تک وہ سوراخوں والی اسکرین سے مزین بوتھ کے دوسری طرف ہوتا تھا۔ آج وہ اس طرف بیٹھا تھا اور نگاہیں سامنے بیٹھے

نیاز بیگ پہ جمی تھیں۔قیدیوں کا لباس پہنے' بڑی مونچھوں والا' تیوریاں چڑھائے نیاز بیگ ناخوش لگتا تھا۔

''تمہاری بی بی چکر لگا گئی ہے۔میرا بیان نہیں بدلے گا۔میں نے ماری تھیں سعدی یوسف کو گولیاں۔''

''شاید تم مجھے جانتے نہیں ہو۔'' وہ ٹھنڈے سے انداز میں بولا مگر دوسری طرف کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔نیاز تلخی سے مسکرایا تھا۔

''جانتا ہوں صاب.....بہت قصے سنے ہیں تمہارے اس جیل میں۔'' اور ناک سے مکھی اڑائی۔

فارس نے غور سے اسے دیکھتے لہجے کو دھیما کیا۔''دیکھو' تم دو کیسز میں نامزد ہو۔شزا ملک اغوا کیس میں تم بے قصور ہو' اور اگر میں چاہوں تو شزا کو منا سکتا ہوں' وہ تمہارا نام واپس لے لے گی۔سعدی یوسف اغوا کیس میں تم اغوا کے مجرم ہو' اقدام قتل کے نہیں۔لیکن ہم تمہارا نام خارج کر دیں گے' اور تم آزاد ہو جاؤ گے اگر.....'' اس نے وقفہ دیا۔نیاز بیگ غور سے اسے دیکھتا سن رہا تھا۔

''اگر تم عدالت میں سچ بول دو۔''

''میں نے سعدی یوسف کو گولی ماری تھی' یہی سچ ہے۔''

''نیاز بیگ۔'' فارس نے افسوس سے سر ہلایا۔''کتنے پیسے دینے کا کہا ہے ہاشم کاردار نے؟ وہ میرا کزن ہے۔خون ہے میرا۔میں اسے جانتا ہوں۔ادھر تم نے گواہی دی' ادھر تم اس کے لئے خطرہ بن جاؤ گے۔وہ تمہیں جیل میں ہی ختم کروا دے گا۔''

نیاز بیگ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری مگر وہ انہی سخت تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

''ہم سب جانتے ہیں کہ تم نے یہ نہیں کیا۔'' اس نے میز پہ رکھے پرنٹ آؤٹس اٹھائے اور شیشے کی اسکرین کے سامنے کیے۔پہلے پہ سعدی یوسف کا خون میں لت پت وجود پڑا تھا۔''یہ تم نے نہیں کیا۔اتنے پیارے نوجوان کو تم نے نہیں مارا۔وہ بھی چند ڈرگز کے پیچھے۔یا اس کے اس سیل فون کے پیچھے جسے تمہارے بیان کے مطابق تم نے بیچ دیا تھا۔'' اس نے دوسرا کاغذ سامنے کیا۔نیاز بیگ خاموشی سے شیشے کے پار لہراتے کاغذ دیکھنے لگا۔

''کوئی کیسے یقین کرے گا کہ تم ایک لڑکے کو اتنی بری طرح پیٹ سکتے ہو' اس کو اتنی گولیاں مار سکتے ہو' وہ بھی صرف اس سیم سانگ گلیکسی ایس 6 کے لئے؟ کتنے کا بک گیا ہوگا یہ فون؟ عدالت کو کیا اس فون کی قیمت نہیں معلوم ہوگی؟'' کاغذ پہ اب سیاہ رنگ کا موبائل نظر آ رہا تھا۔اس نے کاغذ نیچے رکھے اور ترحم سے اسے دیکھا۔''تمہارا بیان کمزور ہے' کوئی یقین نہیں کرے گا۔اور وقت پڑنے پہ ہاشم کاردار تم سے چھٹکارا حاصل کر لے گا۔اس لئے اس کی باتوں میں مت آؤ۔عدالت میں کم از کم اتنا کہہ دو کہ تم نے سعدی کو گولیاں نہیں ماری تھیں۔''

''اور بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟'' وہ اسی انداز میں بولا تھا۔فارس کے چہرے پہ بالآخر مسکراہٹ امڈ آئی۔

''پیسے چاہیے ہیں؟ میں دوں گا اور تمہاری حفاظت بھی کروں گا۔کیا سمجھے؟'' نیاز بیگ نے اثبات میں سر ہلایا۔فارس نے اب ایک اور کاغذ سامنے کیا۔''تمہاری بیرک کا سپاہی تمہیں یہ کاغذات دے دے گا۔یہ چند فقرے یاد کر لینا۔یہ بولو گے تم عدالت میں۔''

''تم واقعی مجھے پیسے دو گے؟'' وہ اب مشکوک لگتا تھا۔

''آزما کے دیکھ لو۔'' نیاز بیگ نے اب کے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔وہ گہری سوچ میں گم تھا۔

فارس وہاں سے باہر آیا تو جیل کی حدود سے نکل کر اس نے زمر کو فون ملایا۔

''کام ہو گیا ہے۔نیاز بیگ مسئلہ نہیں کرے گا۔اس کی جرح ہمارے حق میں جائے گی۔''

''پکی بات ہے نا؟'' وہ مشکوک تھی۔''وہاں جا کر وہ تمہاری ہر بات بھول گیا تو؟''

''نہیں' میں تو بے کار آدمی ہوں' مجھے تو کچھ کرنا آتا ہی نہیں ہے۔جاب لیس' نکما ہوں میں۔''

''ساتھ میں دو نمبر بھی ہو۔'' اور وہ دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

اور ادھر اس کے جاتے ساتھ ہی نیاز بیگ واپس آ کر ایک بڑے کمرے میں آیا جہاں موبائل جیمرز اثر نہیں کرتے تھے۔ وہاں لمبے لیٹے آدمی سے اس نے موبائل مانگا اور پھر کونے میں جا کر کال ملائی۔ فون کان سے لگاتے ہی وہ بولا تھا۔ ''کاردار صاحب۔ نیاز بیگ بول رہا ہوں۔''

''اتنی صبح فون کرنے کا مطلب ہے فارس غازی آیا تھا تمہارے پاس؟'' ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا چند فائلز دیکھ رہا تھا' انداز میں اطمینان تھا۔

''جی۔ ابھی ابھی گیا ہے۔''

''کیا کہا اس نے؟ وہی جو میں نے کہا تھا؟ کہ ہاشم کاردار تمہیں مروا دے گا' میں تمہیں زیادہ پیسے دوں گا وغیرہ وغیرہ۔'' وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''ایک ایک حرف وہی کہا اس نے۔'' وہ آگے سے ہنسا تھا۔

''گڈ۔ تم نے کیا کیا؟''

''وہی جو آپ نے کہا تھا۔ اسے سوچنے کا تاثر دیا ہے' مگر اسے یقین ہے کہ میں مان گیا ہوں۔''

''ویری گڈ۔ اب وہ عدالت میں جرح کی تیاری غلط رخ سے کریں گے۔ تم اپنی تیاری پوری رکھو۔''

''جو حکم صاب۔ ہم تو آپ کے حکم کے غلام ہیں۔''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے۔'' نخوت سے کہہ کر ہاشم نے فون میز پہ ڈال دیا۔ پھر تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔ ''میں شہر بھر کے گواہوں کو خرید سکتا ہوں' جانتا نہیں ہے یہ کیا؟'' منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ کاغذ الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

جی میں آئے جو کر گزرتا ہے ..... تُو کسی کا کہا نہیں کرتا!

مور چال کے لاؤنج میں چھٹی والے دن کی رونق تھی۔ زمر' فارس اور سعدی مخالف صوفوں پہ بیٹھے تھے' اور تینوں اپنے اپنے فونز پہ لگے تھے۔ نیچے کشن پہ سیم لیٹا تھا اور وہ بھی ٹیب پہ کچھ کھیل رہا تھا۔ ایک کونے میں ڈسٹنگ کرتی حسینہ کام چھوڑ کے اپنا فون دیکھ رہی تھی۔ ایسے میں وہیل چیئر پہ بیٹھے خاموش سے بڑے ابا باری باری سب کے جھکے چہرے تک رہے تھے۔

''کیا ہم یہ طے نہیں کر سکتے کہ جب سارے گھر والے ساتھ بیٹھے ہوں تو کوئی اپنے موبائل کو نہیں دیکھے گا؟ (سب کے موبائل ایک ساتھ نیچے ہوئے۔) اور اسامہ' کیا تمہیں ایسے گیمز کھیلنے کا شوق نہیں ہے جو تمہیں باہر جا کے کھیلنے ہوں۔ چل پھر کے۔ بھاگ دوڑ کے۔'' ابا نے اسے پکارا تو سیم اسکرین پہ نگاہیں جمائے خوشی سے بولا تھا۔ ''ہے نا بڑے ابا۔ لیکن پتہ نہیں Pokemon Go پاکستان میں کب آئے گی۔'' (اس نے اس موبائل گیم کا نام لیا جس کو کھیلنے کے لیے موبائل ہاتھ میں لے کر چلنا پھرنا پڑتا ہے)

''ابا صحیح کہہ رہے ہیں۔'' زمر اپنا فون رکھتے ہوئے بولی تھی۔ ''جب ساری فیملی ساتھ بیٹھی ہو تو کوئی موبائل استعمال نہیں کرے گا اور حسینہ آپ کی ڈسٹنگ نہیں ہوئی۔'' ساتھ میں خفگی سے اس کو بھی لتاڑا۔ وہ جلدی سے فون رکھ کے ہڑبڑا کے کام کرنے لگی۔ فارس جو اپنا موبائل جیب میں رکھ ہی رہا تھا' ایک دم چونک کے حسینہ کو دیکھنے لگا جس نے ابھی ابھی ایک چمکتا ہوا اسمارٹ فون سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تھا۔ پھر اس نے سعدی کو دیکھا۔ وہ فون رکھ کے بڑے ابا سے بات کرنے میں مصروف تھا' متوجہ نہیں تھا۔ فارس نے پھر سے حسینہ کے فون کو دیکھا۔

''حسینہ..... یہ نیا ہے؟ کافی مہنگا لگتا ہے۔ کس نے لے کر دیا؟ آپا نے؟'' وہ بلند آواز میں بولا تھا۔ سعدی بھی چونک کے اس طرف دیکھنے لگا۔ حسینہ نے ایک دم سب کو اپنی طرف متوجہ پایا تو اس کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

''نہیں فارس بھائی۔صداقت نے لے کر دیا ہے۔''

''ماشاءاللہ صداقت لگتا ہے پیسے جوڑ جوڑ کے رکھنے لگ گیا ہے۔دو ماہ پہلے تک تو نیا جوتا خریدنے سے پہلے بھی سو بار سوچتا تھا۔'' اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے حسینہ کو دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''نہیں جی' کمیٹی ڈالی تھی ہم نے۔ابھی قسطیں دینی ہیں۔'' وہ سر جھکا کر کام کرنے لگی۔فارس ''ہوں۔'' کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''احمر کی باتوں پہ نہ جائیں' ماموں۔ہمارے ملازم ایسے نہیں ہیں۔'' وہ انگریزی میں تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے پتہ ہے' میں تو یونہی۔'' اس نے سر جھٹکا۔زمر اور بڑے ابا بھی تادیبی نظروں سے اسے دیکھنے لگ گئے تھے۔

''اس نے واقعی کمیٹی ڈالی ہے' اور مجھے پتہ ہے کہ کہاں ڈالی ہے۔'' زمر نے اسے گھور کے دبی آواز میں کہا تھا۔بڑے ابا کو بھی برا لگا تھا شاید۔اور حسینہ کو بھی احساس ہو گیا تھا۔وہ ایک دم دکھی نظر آنے لگی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' فارس نے جان چھڑانی چاہی۔

''ہم صداقت کو عرصہ دراز سے جانتے ہیں' فارس۔وہ بہت ایماندار اور شریف لڑکا ہے۔'' ابا نے سبھاؤ سے اس کو گویا سمجھایا' یا شاید بہت کچھ واضح کیا۔

''جی' مگر.....'' وہ گہری سانس لے کر اٹھا۔''ہم اس کی بیوی کو تو عرصہ دراز سے نہیں جانتے۔خیر میں بس ایک بات کر رہا تھا۔'' انگریزی میں کہہ کر معذرت کرتا وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔فارس سے کون بحث کرتا' لیکن حسینہ کے لئے بھی سب کو برا محسوس ہو رہا تھا۔بے چاری بے گناہ غریب لڑکی پہ وہ شک کرنے لگا تھا۔یونہی خواہ مخواہ میں۔اسے ایسے نہیں سوچنا چاہیے تھا۔زمر' ابا اور سعدی سب یہی سوچ رہے تھے۔

اوپری منزل پہ آؤ تو حنین اپنے کمرے کے بند دروازے کے اندر' آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔پژمردہ چہرہ' حلقوں والی آنکھیں لئے' وہ اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔پھر اس نے گردن کڑا کر کہنے کی کوشش کی۔

''یور آنر' یہ مجھ پہ الزام لگا رہے ہیں۔میں نے ان سے کبھی موبائل پہ باتیں نہیں کیں۔'' آواز کپکپاتی ہوئی اور لہجہ کمزور تھا۔مگر اس نے پھر سے کہنے کی سعی کی۔

''جی نہیں۔میں کسی او سی پی کو نہیں جانتی۔جی نہیں' میرے پاس کبھی فرینڈز اینڈ فیملی فیورز لینے نہیں آتے۔آپ بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں۔میں آپ کو sue کر سکتی ہوں۔'' آواز پھر سے کانپی۔آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔پھر آنکھیں رگڑیں اور اپنا موبائل اور پرس اٹھا کے کمرے سے باہر نکلی۔اسے سیم کے ساتھ وال پیپر لینے بلیوایریا جانا تھا۔

حنین اور سیم کو صداقت ڈرائیو کر کے ابھی کالونی کے اختتام تک ہی لایا تھا جب ایک لمبی چمکتی ہوئی کار سامنے سے آتی دکھائی دی۔جب دونوں گاڑیوں نے ایک دوسرے کو پاس کیا تو حنین نے دیکھا' پچھلی سیٹ پہ آبدار عبید بیٹھی نظر آ رہی تھی۔(کار کے شیشے سیاہ تھے' مگر اس نے شیشہ گرا رکھا تھا اس لئے دکھائی دیتی تھی۔) زندگی میں پہلی بار حنین جان گئی تھی کہ جواہرات جوانی میں کیسی ہوتی ہو گی۔

وہ برآمدے میں کرسی پہ ٹیک لگائے سوچ میں گم بیٹھا تھا جب کھلے گیٹ کے پار وہ آتی دکھائی دی۔فارس چونک کے سیدھا ہوا۔وہ بال چہرے کے ایک طرف ڈالے' سر پہ سرخ ریشمی رومال لپیٹے' سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔اسے بیٹھے دیکھ کر مسکرائی۔وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سر کو خم دیا۔آبدار اس کے بالکل مقابل آ رکی۔سبز سرمئی آنکھوں سے اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔آپ ادھر کیسے؟'' آج تیوری نہیں چڑھی تھی۔

''اس دن بات ادھوری رہ گئی تھی' میں اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتی تھی ذرا۔ اگر آپ مجھے چند منٹ مزید برداشت کر سکیں تو بیٹھ کے بات کر لیں؟'' کہنے کے ساتھ اس نے کرسی کھینچی۔ وہ ''جی بیٹھیے۔'' کہتا دوسری کرسی کی طرف آیا۔ بار بار غور سے اس کو دیکھتا بھی تھا۔ گویا الجھن کا شکار ہو۔

''میری وجہ سے آپ کو مشکلات پیش آ رہی ہیں' میں جانتی ہوں۔'' وہ کرسی پہ ٹیک لگا کے اپنے ازلی شاہانہ انداز میں بیٹھ گئی اور دو انگلیوں سے کان کی بالی چھیڑتے ہوئے' نظروں کے حصار میں اس کا چہرہ مقید کیے گویا ہوئی۔

''میری ہر وقت آپ کی توجہ گھیرنے کی خواہش سے آپ کی وائف اِن سیکیور رہنے لگی ہیں۔ پھر میری اس معصوم خواہش کو غلط رنگ دے کر بابا نے جو کیا' میں اس کے لئے بھی شرمندہ ہوں اسی لئے وہ ہیرے کی لونگ واپس کرنے آ گئی تھی' ہاں مگر تب مجھے لگا تھا کہ آپ کی وائف آپ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں' وہ آپ کو ڈیزرو نہیں کرتیں۔ لیکن میں غلط تھی۔ میں ان کو سمجھی نہیں تھی شاید۔ ایک دوست کی حیثیت سے صرف آپ کو خبردار کرنا چاہتی تھی' مگر ان کے خلاف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور اب جب کہ مجھے احساس ہو چکا ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں' تو میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ میری وجہ سے آپ دونوں کے درمیان کسی بھی قسم کی کوئی غلط فہمی در آئے۔ امید ہے میری طرف سے آپ کا دل صاف ہو گیا ہو گا۔''

فارس نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلایا۔ ''آپ یہ سب پہلے کلیئر کر چکی ہیں۔''

''مجھے آپ سے ایک گلہ بھی کرنا تھا۔'' وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اداس مسکراتی نظریں اس پہ جمائے کہہ رہی تھی۔ ''آپ نے مجھے استعمال کیا سعدی تک پہنچنے کے لئے۔ مجھے برا نہیں لگا مگر اچھا بھی نہیں لگا۔''

''چلیں۔ کولمبو میں' میں نے آپ کو ایڈونچر تو دیا نا۔''

''کون سا ایڈونچر؟ آپ تو فرار ہو گئے تھے' میں تو اکیلی رہ گئی تھی۔ آپ بار بار بھول جاتے ہیں کہ میں اتنے مسائل کا شکار آپ کی وجہ سے ہوں۔''

اور پہلی دفعہ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ چہرے پہ افسوس در آیا۔ اس نے سر جھکا دیا۔ پھر گہری سانس لی۔ ''آئی ایم سوری۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔''

''مسز کاردار مجھے مسلسل نفرت انگیز پیغامات بھیج رہی ہیں۔'' اس نے اپنا سیل فون اس کی طرف بڑھایا جسے فارس نے قدرے بھاری ہوتے دل کے ساتھ تھام لیا۔ وہ عجیب کیفیات کا شکار ہو رہا تھا۔ ''آپ نے وہ ویڈیو ہاشم کو دے دی' میرا نہیں سوچا' اب وہ اس کا انتقام مجھ سے لیں گی۔''

''آپ خود ہی تو وہ ثبوت ہمیں دینا چاہتی تھیں' یہ بات آپ کو پہلے سوچنی چاہیے تھی۔'' آواز پہ ان دونوں نے چونک کے دیکھا۔ زمر باہر آتے ہوئے ٹھنڈے سے انداز میں بولی تھی۔ آبدار بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مسز زمر!'' مسکرا کے گویا ہوئی۔ ''میں آپ سے معذرت کرنے آئی تھی۔ میں نہیں چاہتی آئندہ میری وجہ سے آپ دونوں کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہو۔''

زمر نے فارس کے برابر میں کرسی کھینچی اور اس پہ بیٹھی۔ ''آپ کو کیوں لگا آپ کی وجہ سے ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا ہو گی؟ ہم outsiders کی وجہ سے آپس میں نہیں جھگڑا کرتے۔'' فارس نے کچھ نہیں کہا' وہ موبائل پہ میسجز دیکھ رہا تھا۔ آبدار کے چہرے پہ افسوس اتر آیا۔ ''لگتا ہے آپ ابھی تک خفا ہیں۔ مگر چلیں' میں خوش ہوں کہ فارس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اور ہاں۔ یہ میں آپ کے لئے لائی تھی۔'' اس نے پرس کے ساتھ پکڑا ننھا سا باکس میز پہ رکھا۔

فارس نے خاموشی سے فون اسے واپس کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے باکس کو دیکھا۔

''یہ ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔ پرفیوم۔ مجھے اچھا لگا' میں نے لے لیا۔''

''سوری' میں یہ تحفہ نہیں لے سکتا۔'' وہ شائستگی سے معذرت کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ (زمر نے برہمی سے اس تحفے کو دیکھا تھا۔)

''مجھ سے میرے پلین میں رائیڈ لے سکتے ہیں' میری ایجنسی کے خلاف ٹپ لے سکتے ہیں' مسز کاردار کی ویڈیو لے سکتے ہیں' میرا اپارٹمنٹ لے سکتے ہیں' مگر تحفہ نہیں لے سکتے؟'' وہ مسکرا کے بولی تھی۔ ''اگر آپ نہیں لیں گے تو مجھے لگے گا کہ آپ نے مجھے معاف نہیں کیا۔''

''اوکے!'' اس نے سر کو خم دیا۔ زمر نے چونک کے بے یقینی سے اسے دیکھا' مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ اب اس کو سی آف کرنے اس کے ساتھ گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ''مگر آئندہ آپ کوئی چیز نہیں لائیں گی یوں۔ اور مسز کاردار کو جواب نہ دیں۔ بس اگنور کریں۔ چند گارڈز مزید رکھ لیں۔ تنہا گھر سے نہ نکلیں۔'' وہ ہدایات دے رہا تھا' انداز میں فکرمندی تھی۔ گیٹ تک وہ اس کے ساتھ گیا پھر وہ چلی گئی تو فارس واپس گیا۔ ابھی تک سوچ میں گم تھا۔ جیسے افسردہ ہو۔

''تم اس کا تحفہ کیسے لے سکتے ہو؟ تم جانتے نہیں ہو اس کو؟'' وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔ پہلی دفعہ وہ بے زار سا ہوا۔

''زمر' وہ اچھی لڑکی ہے' معافی مانگ رہی تھی' رویہ بدل لیا ہے اس نے اپنا۔ تو تم اس سے یوں بات کیوں کر رہی تھیں؟''

''رویہ نہیں بدلا اس نے۔ تکنیک بدلی ہے۔ تمہیں نظر کیوں نہیں آ رہا؟''

''اچھا تو تکنیک بدل کے وہ کیا کر لے گی؟ وہ تمہارا اتنا نقصان نہیں کر سکتی' جتنا میں اس کا کر چکا ہوں۔'' تلخی سے کہتا وہ وہیں بیٹھ گیا۔

''اس نے کوئی احسان نہیں کیا ہم پہ ہماری مدد کر کے۔ یہ سب اس کے باپ اور اس کے ہاشم کاردار کا کیا دھرا ہے۔ اس کو تو اپنے خاندان والوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے اس سے بھی زیادہ کرنا چاہیے تھا۔ سارے نقصان ہمارے ہوئے ہیں۔ مجھے تو تم پہ حیرت ہو رہی ہے' تم.....''

''اگر تمہیں یہی باتیں کرنی ہیں تو میں جا رہا ہوں۔'' اکتاہٹ سے کہتے اس نے جیب سے چابی نکالی اور گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''تم اس کی وجہ سے مجھ سے لڑ رہے ہو؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا گلا رندھ گیا۔ وہ تیورا کے پلٹا۔

''میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم ہر وقت اس کو اپنا کمپیٹیشن سمجھنے کی بجائے اسے ایک انسان سمجھو جس نے ہماری مدد کی ہے' اور جس کو میں نے بہت سی مشکلوں میں ڈال دیا ہے۔ اور اب مجھے ہی اس کو اس سب سے نکالنا ہوگا۔ کھانے پہ میرا انتظار مت کرنا۔ میں دیر سے آؤں گا۔'' تلخی سے کہتا وہ مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ زمر یاسیت اور خفگی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئی۔

❖❖❖

اتنی جلدی تو بدلتے نہیں ہوں گے چہرے ..... گرد آلود ہیں آئینے انہیں دھویا جائے

شاپ میں کھڑی حنین بے دھیانی سے وال پیپرز دیکھ رہی تھی۔ سیم قریب میں کمپیوٹر شاپ کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کو اپنا ٹیب ٹھیک کروانا تھا (اسی لئے وہ بناچوں چراں حنین کے ساتھ آ گیا تھا۔) صداقت باہر کار میں انتظار کر رہا تھا۔

حنین کی توجہ وال پیپر کی بجائے اندر کے گہرے منجھدار میں گول چکر کھا رہی تھی۔ بار بار وہ سر جھٹکتی تھی مگر سوچیں... اُف... ہاشم کاردار کی متوقع جرح کی آوازیں اس کے کانوں میں بار بار گونج رہی تھیں۔ وہ جتنا دھیان بٹانے کی کوشش کرتی' اتنا وہ سر پہ سوار ہونے لگتا' یہاں تک کہ وہ اس کی خوشبو تک محسوس کرنے لگی تھی۔

کرنٹ کھا کے حنین مڑی تو گویا اگلا سانس لینا بھول گئی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاشم کاردار۔ مسکراتا ہوا تیار سا' قیمتی پرفیوم کی

خوشبو میں بسا۔ وہ واقعی اس کے سامنے تھا۔ حنین کے ہاتھ سے وال پیپر چھوٹ کر نیچے جا گرا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

''کیسی ہو؟'' اس کا انداز اتنا نرم' اتنا مسحور کن تھا' وہ بنا پلک جھپکے' اس پہ نظریں جمائے کھڑی رہی۔ لب آدھے کھلے تھے۔ جسم برف ہو رہا تھا۔

''تمہارے سیل فون سے ٹریس کیا تمہیں' اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا جہاں تمہارے خاندان کے وہ سیلفش لوگ آس پاس نہ ہوں۔ پتہ ہے وہ سیلفش کیوں ہیں' پیاری لڑکی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

وہ سن نہیں رہی تھی' بس اسے دیکھ رہی تھی۔ پیاری لڑکی کی صدائیں بار بار دیوار سے ٹکرانے لگی تھیں۔ پیاری لڑکی.... پیاری لڑکی....

''ان کو صرف اپنی فکر ہے۔ زمر اور فارس کو اپنی شادی پہ محنت کرنے کی فکر ہے۔ سعدی کو کیس جیتنے کی پڑی ہے تاکہ وہ سچا ثابت ہو' وہ آگے بڑھ سکے۔ ایسے میں کسی کو بھی تمہاری فکر نہیں ہے۔ حنین کٹہرے میں کھڑی ہو' ایک دنیا اس کی باتیں سنے' اس کی باتیں لکھے۔ وہ اخباروں کی سرخیوں کی زینت بنے۔ اس کا کردار تار تار ہو جائے' یہ سب باتیں ان کو ثانوی لگتی ہیں۔ ان کا انتقام پورا ہو جائے' باقی سب خیر ہے۔

وہ موم کا مجسمہ بنے اس کو دیکھے گئی۔ ٹھنڈے پسینے سے اس کا وجود گویا موم کی طرح پگھل پگھل رہا تھا۔

''کسی کو تمہاری فکر نہیں حنین۔'' وہ ہمدردی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں تمہیں کبھی سمن نہ کرتا۔ زمر غلط کہتی ہے کہ میں تمہیں سمن کرتا۔ میں بچوں سے نہیں مقابلہ کرتا۔ بچوں کو درمیان میں نہیں لاتا۔ میری بھی ایک بیٹی ہے۔ میں جرح بھی نہیں کرنا چاہتا تمہاری۔ مگر زمر اور سعدی تمہیں درمیان میں لائے ہیں۔ انہوں نے تمہیں صلیب پہ چڑھایا ہے؟ تم اپنا سوچو حنین۔ میرا نہیں' کسی کا نہیں۔ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ دیکھو۔ شادی کیسے کرو گی؟ سر اٹھا کے کیسے جیو گی؟ لوگ میرے اور تمہارے افیئر کی باتیں زمانوں تک کریں گے' یہ سب جرح میں کہنا پڑے گا اور یقین کرو میں نہیں کرنا چاہتا یہ سب' میں تو آگے بڑھنا چاہتا تھا' لیکن سعدی نے مجھے اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے۔ اب تم میری مدد کرو۔''

وہ سُن تھی۔ مجسمہ تھی۔ موم کی طرح پگھل رہی تھی اور وہ آگ کے شعلے کی طرح اس کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھا۔

''تم کورٹ میں کہو کہ تمہیں کچھ یاد نہیں۔ جو پولیس کو تم نے حلیمہ سے متعلق بیان دیا ہے نا' اس کو واپس لے لو پیاری لڑکی۔ تم اتنی اَرزاں نہیں ہو کہ تمہیں کورٹ میں کوئی استعمال کرے۔ تم میرے خلاف کوئی بات مت کہو' میں جرح نہیں کروں گا۔ کوئی تمہارے کردار کے بارے میں بات بھی نہیں کر سکے گا۔ تمہیں صرف اتنا کہنا ہے کہ سعدی جھوٹ بول رہا ہے' اور تمہاری رائے میں شیروایسا نہیں کر سکتا۔ یوں تم محفوظ رہو گی' کیونکہ یہ عزت ایک دفعہ چلی گئی نا حنین' تو واپس نہیں آئے گی۔''

ایک آنسو حنین کی آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ لڑھکا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میری بات سمجھ میں آئی ہے نا؟''

''جی!'' اس نے خود کو کہتے سنا۔ ''یہ عزت ایک دفعہ چلی گئی تو واپس نہیں آئے گی۔'' وہ کسی روبوٹ کی طرح بولی تھی۔

''گڈ۔ تم جب کٹہرے میں کھڑی ہو نا تو مجھے فیور دینا۔ میں تمہیں دوں گا۔ اور اپنے خود غرض خاندان سے ڈرنا نہیں۔ ان کو شرمندہ ہونا چاہیے' تمہیں نہیں۔ کیونکہ اگر میں نے اوسی پی صاحب والی باتیں جرح کے دوران کہہ دیں' اور یقین مانو میں نہیں کہنا چاہتا' تو تمہارے خلاف انکوائری ہو گی۔ تم نے ابھی بی اے کیا ہے نا؟ ایف ایس سی کا رزلٹ کینسل ہو گا۔ تین سال تک تمہیں کوئی تعلیمی ادارہ داخلہ نہیں دے سکے گا۔ تین سال بعد تم دوبارہ سے ایف اے' بی اے کرو گی کیا؟ تین سال بعد سات سال پیچھے چلی جاؤ گی کیا؟ تم جس یونیورسٹی یا کالج میں جاؤ گی' وہاں بے عزت ہو کر رہو گی۔ سب تمہیں چیٹر کہیں گے' حقارت سے دیکھیں گے۔ اس لیے تمہیں اس وقت صرف اپنا سوچنا چاہیے۔ ہوں۔'' وہ کوٹ کی نادیدہ شکن درست کرتا اس پہ ایک نرم سی آخری

نظر ڈال کے مڑ گیا۔ سیلز مین اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ چلا بھی گیا اور وہ ہنوز بت بن کے کھڑی تھی۔ موم کے قطرے پگھل پگھل کے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ آگ جا چکی تھی۔ تپش باقی تھی۔

.....❖❖❖.....

اُبھرتے ڈوبتے سورج سے توڑ لوں رشتہ ..... میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سحر نہ کروں

وہ گھر آئی تو اس کا جسم یوں جل رہا تھا گویا ارد گرد ایک ہزار تنور جل رہے ہوں۔ وہ لاؤنج میں خاموش بیٹھی زمر کے سامنے پل بھر کو رکی۔

''میں گواہی دوں گی' لیکن میں بس وہی کہوں گی جو میری مرضی ہوگی۔ کوئی میرے منہ میں الفاظ نہیں دے گا۔ آپ میں سے کوئی مجھے نہیں بتائے گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں وہی کہوں گی جو میرے لیے ٹھیک ہوگا۔'' درد سے پھٹی آواز میں کہہ کر وہ آگے بڑھی تو دیکھا' سامنے سعدی کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں میں دکھ تھا۔

''میں نہیں چاہتا کہ تم گواہی دو حنہ۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگ تمہیں یوں اذیت دیں۔''

''تو پھر آپ کو یہ سب ہمارے سارے خاندان کو کچہری میں گھسیٹنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔'' شاکی انداز میں چیخ کر بولتی وہ دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

پھر کمرے میں آ کر وہ جو سر منہ لپیٹ کے لیٹی تو کتنے ہی گھنٹے نہ اٹھی۔ مغرب کی اذانیں ہوئیں تو اٹھ کے نماز پڑھی اور پھر سے لیٹ گئی۔ جسم بخار میں دہک رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو ابل ابل کر گر رہے تھے۔ کب تک وہ یوں سزا کاٹتی رہے گی ان کچی عمر کی پکی غلطیوں کی؟ خدایا وہ کیا کرے؟ عشاء بھی یونہی پڑھی اور پھر سے لیٹ گئی۔ رات تاریک ہوتی گئی۔ شہر اندھیرے میں ڈوبتا گیا۔ جانے وہ کون سا پہر تھا جب اس نے محسوس کیا کوئی دروازے میں آ کھڑا ہوا ہے۔ وہ فارس کی چاپ پہچانتی تھی مگر اسی طرح کروٹ لئے لیٹی رہی' ہلی تک نہیں۔ وہ آگے آیا اور پائنتی پہ بیٹھا۔

''اگر تم نہیں دینا چاہتی گواہی تو مجھے بتاؤ۔ ہم کوئی راستہ نکال لیں گے۔''

''پتہ ہے کیا ماموں۔'' وہ اندھیر خلاء میں تکتی ہوئی عجیب خالی پن سے بولی تھی۔ ''میں سمجھتی تھی کہ میں ذہین ہوں۔ کئی ممالک کے پاپ کلچر' ڈراموں اور کتابوں سے واقف ہوں تو عام لڑکیوں سے مختلف ہوں۔ برتر ہوں۔ مگر میں غلط تھی۔'' گرم گرم آنسو ابل کے گالوں پہ لڑھکتے تکیے میں جذب ہونے لگے۔ ''ہم مڈل کلاس لڑکیاں جتنا پڑھ لکھ لیں' جتنا کمپیوٹر استعمال کر لیں' دنیا بھر کی سیاست پہ تبصرے کر لیں' ہم رہتی وہی مڈل کلاس ہی ہیں۔ عام شکل وصورت کی بے بس لڑکیاں جن کو عزت کے نام پہ کوئی بھی بلیک میل کر سکتا ہے۔ جن کی عزت ایک دفعہ چلی جائے تو اسے کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ ہم بہت بے چاری لڑکیاں ہیں فارس ماموں۔ ہم کچھ نہیں کر سکتیں۔ ہم ٹوٹل Failure ہوتی ہیں۔''

''جب میں جیل میں گیا تھا تو میں نے بہت سی باتیں سیکھی تھیں' جن کا مجھے زندگی میں پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔'' وہ دھیرے سے بولا تھا۔ ''میں نے سیکھا تھا کہ اگر کوئی آپ کے عقائد پہ حملہ کرے تو زبان سے جواب دو' اگر کوئی آپ کے جسم پہ حملہ کرے تو ہاتھ سے جواب دو' اگر کوئی آپ کے خلوصِ نیت پہ شک کرے' تو اپنے اچھے عمل سے جواب دو' اگر کوئی آپ کی دیانتداری پہ انگلی اٹھائے تو دلائل سے جواب دو' لیکن....' وہ ٹھہرا۔ اندھیر کمرے میں اس کی آواز گونج گونج کر پلٹ پلٹ آتی تھی۔ ''لیکن اگر کوئی آپ کے کردار پہ' آپ کی عزت پہ حملہ کرے' تو کوئی جواب نہ دو۔''

''تو پھر کیا کرو؟'' وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ چند لمحے کچھ نہ بولا پھر جب لب کھولے تو اس کی آواز بہت دھیمی اور سرد سی محسوس ہوئی تھی۔

''Then you make them bleed!''(تو ان کو تڑپا تڑپا کے مار دو۔)

وہ کب کمرے سے گیا' اسے پتہ نہ چلا۔ بس وہ گم صم سی بیٹھی رہی۔ پھر بدقت تمام وہ اٹھی' اور باتھ روم جا کے وضو کیا۔ آنکھیں جل رہی تھیں' جسم بخار میں پھنک رہا تھا۔ بمشکل دوپٹہ سر پہ لپیٹتی وہ کمرے میں آئی۔ جائے نماز بچھائی اور دو رکعت نفل کی نیت باندھی۔

''کیا ہم لڑکیاں ٹوٹل فیلیئر ہیں اللہ تعالیٰ؟'' سلام پھیر کے وہ دوزانو بیٹھی' دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے گم صم سی پوچھ رہی تھی۔ ''کیا ہم لڑکیاں واقعی اتنی بے بس اور لاچار اور بے چاری ہوتی ہیں؟ کیا عزت کے نام پہ کوئی بھی ہمیں بلیک میل کر سکتا ہے؟ کیا ہماری غلطیوں کی کہانیوں کے ''مرد'' کرداروں کے ہاتھوں میں ہماری عزت ہوتی ہے یا آپ کے ہاتھ میں؟ کیا آپ کی مرضی کے بغیر کوئی بھی کسی کو بے عزت اور ذلیل و رسوا کر سکتا ہے؟ مجھے بتایئے اللہ تعالیٰ۔ آپ کہتے ہیں نا کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں خیر معلوم کرے گا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا (سورۃ الانفال:70) تو اگر میرے اندر کوئی خیر ہے تو کیا میری عزت مجھے واپس مل سکتی ہے؟ کیا دنیا والوں کی نظر میں میرا پردہ رہ سکتا ہے کہ وہ تو واقف ہی نہیں ہیں' اور میرے گھر والے جو واقف ہیں' ان کی نظر میں پھر سے معتبر ہو سکتی ہوں میں؟ کیا سعدی کو جھوٹا کہنے کی بجائے کوئی اور راستہ ہے؟''

وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی' الجھ رہی تھی' تعجب کا شکار ہو رہی تھی۔ ہاں اب وہ رو نہیں رہی تھی۔

سیڑھیوں سے نیچے آؤ تو فارس اپنے کمرے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ زمر جو بے مقصد سی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی' اس کو نظر انداز کیے برش اٹھا کے بالوں میں چلانے لگی تھی۔ خفا نظریں آئینے پہ جمائے وہ لب بھینچے ہوئے تھی۔

''آہم!'' وہ ذرا سا کھنکھارا۔ انداز بے چارے شوہر والا تھا۔ زمر برش کرتی رہی۔ وہ اس کے قریب آیا اور سنگھار میز کے کنارے بیٹھا۔

''سوری۔ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا۔'' ایک انگلی سے گردن کھجاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''کیا اس نے گھر سے نکال دیا جو آپ کو بالآخر اپنے گھر کی یاد آئی؟'' وہ سلگتی نگاہیں اٹھا کے اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

''احمر سے ملنے گیا تھا۔ سعدی کی ڈاکٹر کا پوچھنا تھا کہ وہ ملی یا نہیں۔ اس کے پاس نہیں گیا تھا۔''

''تو وہیں رہ جاتے' واپس آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' برش زور سے پٹخا تھا۔ اس کی وضاحت پہ بالکل یقین نہیں کیا۔

''آ گیا ہوں تو کیا گھر سے نکالو گی؟'' زمر نے جواباً محض سر جھٹکا۔ خوب غصہ آ رہا تھا اس پہ۔

''اچھا سنو۔'' وہ مصالحتی انداز میں اس کی طرف ذرا سا جھکا۔ نظروں کے حصار میں اس کا خفا چہرہ لئے مسکراہٹ دبائے بولا تھا۔ ''چلو ڈنر پہ چلتے ہیں۔''

''یہ ڈنر کا نہیں سحری کا وقت ہے۔'' وہ اسے گھور کے بولی تھی۔

''اب ایسی بھی کوئی رات نہیں بیتی کہ ایک آدھ ڈھابہ ہی نہ کھلا ہو۔''

''ہاں بس مجھ پہ پیسہ خرچ نہ کرنا۔ ڈھائی سو کی انگوٹھی دلانا' اور کھانا ڈھابوں سے کھلانا۔'' وہ مارے تاسف کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ فارس نے افسوس سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''تم ہمیشہ سے اتنی لالچی تھیں یا وکالت پڑھنے کے بعد ہوئی ہو۔''

''تم نا واپس اسی کے پاس چلے جاؤ۔''

''ارے یار نہیں جاتا میں اس کے پاس۔ میں تو عرصے سے اس کے گھر بھی نہیں گیا۔ اور وہ اس رات ڈنر پہ میں نہیں حنین گئی تھی' وہ ویڈیو بھی اس سے حنہ نے لی تھی۔ اب بس کر دو شک کرنا۔'' وہ مسکراہٹ دبائے صفائی دے رہا تھا۔

''ہاں ہاں' مجھے یقین آ گیا۔ ہونہہ۔'' اس نے بدقت چہرے کو ویسا ہی سپاٹ رکھا البتہ دل سے بوجھ سا اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

''اچھا اب موڈ تو ٹھیک کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو مجھے کچھ ہو جائے اور تم یہ وقت ضائع کرنے پہ پچھتاتی رہو۔'' وہ ازراہِ مذاق کہہ رہا تھا مگر بالوں میں سے برش گزارتا اس کا ہاتھ کانپا۔ اس نے دہل کر فارس کو دیکھا۔

''تم کتنا فضول بولتے ہو۔''

''بس؟'' اسے مایوسی ہوئی۔ ''میں تو امید کر رہا تھا کہ تم ''میری عمر تمہیں لگ جائے'' جیسا مکالمہ بولو گی۔''

''کتنا شوق ہے تمہیں مجھ سے چھٹکارا پانے کا۔'' اسے اَز سرِ نو غصہ آنے لگا۔

''ہے تو بہت زیادہ' لیکن....'' اس نے برش بالآخر اس کے ہاتھ سے لے کر میز پہ رکھا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔ ''لیکن تم اس بات کا یقین رکھو کہ موت کے علاوہ ہمیں کوئی چیز یا کوئی شخص جدا نہیں کر سکتا۔''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ساری کلفت' ساری تلخی زائل ہوگئی۔ اس کا مضبوط انداز.... پریقین لہجہ.... وہ آنکھوں سے چھلکتا عزم.... بس اس سرکس بنی زندگی میں ایک یہی چیز تو اسے بہادر بنائے رکھتی تھی۔

''تم مجھ سے واقعی اتنی محبت کرتے ہو نا فارس!''

''ہوں!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اصلی والی محبت نا؟'' زمر نے ابرو اٹھایا۔

''نہیں۔ چائنہ والی۔'' وہ جل کے بولا تو وہ ایک دم ہنس پڑی۔ ساری اداسیاں فضا میں گھل کے ختم ہوگئی تھیں جیسے۔

.....❖❖❖.....

ضمیر مرتا ہے احساس کی خاموشی سے ..... یہ وہ وفات ہے جس کی خبر نہیں ہوتی

اس صبح ہاشم کاردار کے آفس میں ہوا بالکل ساکن تھی۔ ایک ڈراؤنی سی خاموشی چھائی تھی اور ہاشم بالکل سانس روکے بیٹھا سامنے میز پہ رکھے کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سی سی ٹی وی سے نکالے گئے still امیج تھے اور رئیس ایک ایک کی تفصیل بتا رہا تھا۔

''نہ صرف فارس غازی نے سری لنکا جانے کے لئے ہارون عبید کا طیارہ استعمال کیا' بلکہ مس آبدار ان کے ساتھ گئی تھیں۔ یہ دیکھئے۔ وہ تصاویر میں جس اپارٹمنٹ سے نکلتا دکھائی دے رہا ہے' وہ بھی آبدار عبید کے نام پہ ہے۔'' ہاشم نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ وہ اس جگہ کو پہچانتا تھا۔

''گارڈ کمار کی موت سے پہلے آبدار صاحبہ سعدی سے ملنے گئی تھیں' اور اس سے بھی پہلے وہ پاکستان میں فارس غازی سے ملتی رہی تھیں' جس سے ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ.....''

''وہ سرنج آبدار نے ہی سعدی کو دی تھی۔ میں سمجھ گیا۔ تھینک یو رئیس تم جا سکتے ہو۔'' ایک دم خشک سے انداز میں کہتا وہ کاغذ سمیٹنے لگا۔ رئیس چپ ہو گیا اور پھر سر کو خم دے کر باہر نکل گیا۔

اب وہ کمرے میں تنہا تھا۔ وہ تنہائی جان لیوا تھی۔ وحشت سی وحشت تھی۔ دکھ سا دکھ تھا۔ وہ بار بار ایک ایک تصویر کو دیکھتا تھا۔ کبھی بے یقینی سے' کبھی ملال سے۔ کبھی آنکھوں میں کرب سمٹ آتا' کبھی غصہ۔ اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔ بلڈ پریشر بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

''بھائی!'' نوشیرواں کی آواز پہ وہ چونکا اور چہرہ اٹھایا۔ وہ جانے کب وہاں آ کھڑا ہوا تھا۔ ہاشم نے ڈھیلے سے انداز میں اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' وہ بیٹھا تو اس کا چہرہ بھی شدید اندرونی خلفشار کا شکار لگتا تھا۔

''بولو۔'' وہ سنبھل کے پوچھنے لگا۔ پچھلے دو تین ماہ سے وہ مقدمے میں یوں الجھے تھے کہ آپس میں اب نہ پیار رہا تھا نہ ماضی کے اختلافات۔ بس نارمل ہو گئے تھے دونوں۔

''میری وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ میری وجہ سے ہمارا خاندان اس اسکینڈل میں پھنسا ہوا ہے۔''

''بالکل ایسا ہی ہے۔ پھر؟''

''میں.... میں اعترافِ جرم کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کے الفاظ تھے کہ کیا' ہاشم کرنٹ کھا کے سیدھا ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ندامت سے سر جھکائے۔ ''میں خدا سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں سعدی سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں جج صاحب کو سچ بتا دینا چاہتا ہوں' میں....'' وہ فقرہ مکمل نہیں کر سکا۔ ہاشم کاردار نے پانی کا بھرا ہوا ٹھنڈا ٹھار گلاس اس کے منہ پہ پھینکا۔ ٹھنڈے یخ پانی نے اس کا چہرہ گردن اور بالوں کو نہلا دیا تھا۔ اس نے ہکا بکا سا چہرہ اٹھایا۔

''اگر نیند سے آنکھ کھل گئی ہو تو میری بات سنو۔'' برہمی سے کہتا وہ آگے کو ہوا۔

''تم نے سعدی کے ساتھ یہ اس لئے کیا کیونکہ وہ یہ ڈیزرو کرتا تھا۔ کیونکہ تم ہمیشہ سے ایک نالائق اور کم عقل لڑکے تھے مگر تم میں بھی کچھ کوالٹیز تھیں۔ ان دونوں بہن بھائی نے تمہیں ہمیشہ ڈی گریڈ کیا۔ تمہارے راز کھولے۔ تمہیں احساسِ کمتری کا شکار کیا۔ ان کو وہ ملا جو انہوں نے بویا تھا۔ وہ اپنے احساسِ برتری سے نکل پاتے تو ان کو سمجھ آتا کہ کسی کا اتنا مذاق نہیں اڑاتے جتنا وہ تمہارا اڑاتے تھے۔ تم نے نوشیرواں اگر کچھ غلط کیا ہے تو اس لئے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ غلط کیا تھا۔''

''میں اس سارے کرب سے نکلنا چاہتا ہوں بھائی۔ مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا۔'' وہ دبا دبا سا چلایا تھا۔ گیلے چہرے پہ آنسو کہاں تھے' اندازہ نہ ہوتا تھا۔

''چپ کر کے میری بات سنو۔'' ہاشم اٹھا' میز پہ ہتھیلیاں رکھے' اس کی طرف جھکا۔ اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے غرایا۔ ''میں نے اغوا کیا اسے' میں نے قید میں رکھا اسے۔ پھر وہ تمہیں کیوں نامزد کر رہا ہے؟ وہ لوگ تم پہ غلط الزام لگا رہے ہیں اور میں تمہیں وہاں سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ میں ہوں جو تمہیں اس سے نکال لوں گا۔''

''لیکن اگر میں ان سے معافی مانگ لوں؟ اگر خدا ان لوگوں کے دل میں میرے لئے رحم.....''

''ڈیم اِٹ!'' ہاشم نے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔ ''انہوں نے تمہیں معاف کرنا ہوتا تو یہ سب کرتے ہی کیوں؟ وہ تمہیں پھانسی پہ لٹکا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ انصاف نہیں چاہتے۔ وہ انتقام چاہتے ہیں۔'' پھر وہ واپس کرسی پہ بیٹھا' چند ٹھنڈے سانس لے کر خود کو پرسکون کرنا چاہا۔ اور بولا۔ ''دیکھو شیرو۔ تمہارے اعتراف سے ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ تم یاد کرو جیل کے وہ چند دن جو تم گزار کے آئے ہو۔ تم نہیں سہار سکو گے۔ تم پھندے سے پہلے ہی مر جاؤ گے۔ تم میرے بھائی ہو شیرو' میں تمہیں مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکوں گا۔'' اس کا لہجہ آخر میں بالکل ٹوٹ سا گیا۔ شیرو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے کرب سے دونوں کنپٹیاں تھامیں۔

''میں کیا کروں بھائی؟''

''تم اپنے بھائی پہ بھروسہ رکھو۔ مجھے اپنا کیس لڑنے دو۔ ان لوگوں نے ہمارے خاندان کو مذاق بنا دیا ہے۔ میں ان کو مذاق بنا دوں گا۔ تم دیکھنا میں عدالت میں کیا کرتا ہوں اس کے خاندان کی عورتوں کے ساتھ۔'' ایک نظر اس نے سامنے رکھے کاغذات کو دیکھا۔ آنکھوں سے نفرت جھلک رہی تھی۔ (اس نے مجھ سے وہ عورت چھین لی جس سے میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ میں اس سے وہ عورت لے لوں گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔)

''میں کیا کروں بھائی!'' نوشیرواں بھیگی آنکھوں کے ساتھ نفی میں سر ہلاتا پوچھ رہا تھا۔

''تم خاموش رہو۔اور مجھے میرا کام کرنے دو۔'' وہ پورے وثوق سے بولا تو شیرون نے شکستگی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔ وہ عجیب دوراہے پہ آ کھڑا ہوا تھا جہاں ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا دکھائی دیتا تھا۔

ان سے کئی کوس دور ایک ہوٹل کے ڈائننگ ایریا میں زرد روشنیوں نے پرفسوں خوابناک سا ماحول بنا رکھا تھا۔ایسے میں ایک ٹیبل کے گرد دو مرد اور تین خواتین بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔سربراہی کرسی پہ جواہرات بیٹھی تھی اور مسکراتی ہوئی بظاہر دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہی تھی مگر گاہے بگاہے موبائل کی گھڑی پہ نظر ڈالتی تھی۔کنکھیوں سے اسے قریب کھڑے گارڈز بھی دکھائی دے رہے تھے۔

دفعتاً جواہرات کی آنکھیں چمکیں۔دور سے ویٹر دھوئیں اڑاتی ٹرے اٹھائے چلا آ رہا تھا۔وہ مسکرا کے اب ساتھ والی خاتون سے بات کرنے لگی۔جیسے ہی ویٹر قریب آیا اور تیزی سے ان کے قریب جھک کے ٹرے کے لوازمات نیچے اتارنے چاہے' جواہرات نے اپنا پیر اس کے راستے میں رکھا۔وہ جو عادتاً تیز تیز کام کر رہا تھا' غیر متوقع رکاوٹ سے اس کا پیر رپٹا اور ٹرے ٹیڑھی ہوئی' وہ سنبھل جاتا مگر جواہرات چلا کے کھڑی ہوئی اور یوں گرویی کا باؤل اس کے کپڑوں پہ لڑھک گیا۔

اگلے چند لمحے وہاں عجب کہرام سا مچا رہا۔جواہرات کا سفید لباس داغدار ہو گیا تھا اور وہ چلا چلا کر اس غریب لڑکے کی بے عزتی کر رہی تھی۔دوسرے ویٹرز اور گارڈز ٹوٹی بکھری چیزوں کو درست کرنے اس طرف لپکے تھے۔لڑکا سہم کے دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ایسے میں وہ نیپکین سے اپنے چہرے کے چھینٹے صاف کرتے ہوئے گارڈ سے غرا کے بولی تھی۔

''میں جب تک یہ صاف کر کے نہ آؤں' اس ویٹر کو بھاگنا نہیں چاہیے یہاں سے۔تم اس کو سنبھالو' اور مینیجر کو بلا کے لاؤ۔کیا مہمانوں کو اذیت دینے کے لئے کھول رکھا ہے یہ ہوٹل؟'' وہ غصے میں بڑبڑاتی پرس اٹھائے آگے بڑھ گئی' اور گارڈز فوراً سے انہی کاموں میں لگ گئے جن کا وہ حکم دے کر گئی تھی۔

لیڈیز ریسٹ روم کا پہلا دروازہ کھولا تو سامنے قطار در قطار سنک نظر آ رہے تھے اور ان کے پیچھے شیشے کی بڑی سی دیوار۔اور وہاں وہ کھڑا تھا۔پی کیپ پہنے' بار بار گھڑی دیکھتا۔

''اوہ احمر۔شکر تمہیں میرا پیغام مل گیا تھا۔'' وہ گہری سانس لے کر اندر آئی تو احمر نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور ہینڈل میں کچھ پھنسا دیا۔پھر متعجب سا اس کی طرف پلٹا۔

''مسز کاردار' اتنا بھی کیا کہ آپ مجھے کال تک نہیں کر سکتی تھیں؟''

''میں خطرہ نہیں لے سکتی تھی۔ابھی زیادہ وقت نہیں ہے۔ہاشم مجھ پہ شک کرنے لگا ہے' میں اسے مزید خود سے متنفر نہیں کر سکتی۔'' وہ تیز تیز بے ربط سا بول رہی تھی۔

''اوکے اوکے۔آرام سے بتائیں۔کیا مدد کر سکتا ہوں میں آپ کی؟'' وہ رسان سے اسے تسلی دینے لگا۔

''تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے۔یہ میرے ایک خفیہ اکاؤنٹ کی تفصیلات ہیں۔اس میں ایک لاکر ہے جس میں کچھ زیور ہے اور بہت سی رقم۔تمہیں وہ سب کچھ میرے پاس پہنچانا ہے۔'' وہ اب چند کاغذات نکال کے اسے دکھا رہی تھی۔احمر غور سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

وہ واپس آئی تو لباس کا داغ ہنوز موجود تھا البتہ چہرہ تر و تازہ اور دھلا ہوا لگتا تھا۔مسکرا کے وہ واپس بیٹھی تو دیکھا' سامنے مینیجر' عملے کے چند نمائندے اور گارڈز کھڑے تھے۔متعلقہ ویٹر کو انہوں نے پکڑ رکھا تھا۔مینیجر سینے پہ ہاتھ رکھے ندامت سے بار بار معذرت کر رہا تھا۔جواہرات ٹیک لگا کے بیٹھی اور فخر و غرور سے اس غریب نوجوان کو دیکھا۔

''اس نے نہ صرف میرا لباس خراب کیا' بلکہ میری دوپہر برباد کر دی۔اس کو کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔نہ صرف اس کو نوکری سے فارغ کیا جائے بلکہ یہ ایک بھاری جرمانہ بھی بھرے گا۔''

''مجھے معاف کر دیں' میری غلطی نہیں ہے' میرے آگے....'' وہ نوجوان بے بسی سے کہنا چاہتا تھا مگر گارڈز اس کو کچھ بولنے سے پہلے ہی خاموش کرا دیتے تھے۔ جواہرات اب مزید حکم صادر کر رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

ہر شخص با اصول ہے ہر شخص با ضمیر ..... پر اپنی ذات تک ، ذاتی مفاد تک!

کمرہ عدالت کی اونچی کھڑکی سے مئی کا سورج اندر جھانک رہا تھا۔ جج صاحب اپنی کرسی پہ قدرے ترچھے ہو کر بیٹھے' رخ کٹہرے کی جانب کیے ہوئے تھے جہاں نیاز بیگ موجود تھا اور اس کے سامنے ....نشیب میں....زمر کھڑی تھی۔ نیچے بیٹھا سعدی فکرمندی سے گواہ کو دیکھ رہا تھا۔ ہاشم البتہ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے ہوئے تھا۔ آج وہ چشمے والا آدمی نہیں آیا تھا' اس لئے پیچھے بیٹھے فارس کی توجہ کا مرکز صرف نیاز بیگ تھا۔

''کیا یہ درست ہے کہ ہسپتال میں سعدی یوسف کا اسٹریچر لے کر جانے والے آپ ہی تھے؟'' زمر پوچھ رہی تھی۔

''جی ہاں۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔

''کیا یہ درست ہے کہ آپ نے سعدی یوسف کے اغوا کا الزام قبول کیا تھا؟''

''جی۔''

''آپ نے سعدی یوسف کو قتل کرنے کا ارادہ کرنے کا الزام بھی اپنے سر لیا تھا لیکن استغاثہ ایک دفعہ پھر آپ سے حلف دلوا کر .... پوچھ رہا ہے۔ کہ نیاز بیگ صاحب....'' زمر ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔ ''کیا آپ اپنے بیان پہ قائم ہیں؟''

عدالتی کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سناٹا دَر سناٹا۔ نیاز بیگ نے ہاشم کو دیکھا' پھر پیچھے بیٹھے فارس کو۔ دونوں اسے مختلف قسم کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ زمر کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں سچ بولوں گا۔ میں اپنے بیان پہ قائم ہوں۔ میں نے ہی سعدی یوسف کو گولیاں ماری تھیں۔''

''واؤ!'' سعدی نے بڑبڑا کے سر جھٹکا تھا۔ ہاشم نے مسکرا کے زمر کو دیکھا جس کی یہاں سے پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

''آپ کو یقین ہے کہ آپ ہی سعدی کے ساتھ اس زیرِ تعمیر گھر میں اس رات تھے؟''

''جی۔ میں ہی تھا۔'' ہاشم نے مڑ کے فارس کو دیکھا۔ وہ بالکل خاموش اور سپاٹ سا دکھائی دے رہا تھا۔

''عدالت کو بتائیے کہ آپ کا سعدی یوسف سے کس بات پہ جھگڑا ہوا تھا؟''

''یہ لڑکا میرے سے کوکین خریدتا تھا' کافی دن سے پیسے پورے نہیں دیے تھے اس نے۔ میں نے کہا بدلے میں اس کا ریسٹورانٹ قسطوں پہ خرید لوں گا' یہ اس پہ مجھ سے لڑنے جھگڑنے لگا۔ اس نے مجھے گالی دی تھی۔ پھر میں نے....'' وہ وہی واقعہ دہرانے لگا۔

''اسے ایمبولینس میں ڈال کے کوڑے کے ڈھیر پہ پھینکنے کے بعد آپ نے کیا کیا نیاز بیگ صاحب؟''

''میں اپنے گھر گیا۔ کپڑے بدلے۔ اس کا موبائل جو اٹھایا تھا وہ اسی رات اپنے دوست کو بیچ دیا اس کی دکان اسی علاقے میں ہے جہاں آپ کا گھر ہے۔''

''مگر سعدی کے فون کے سگنل اس رات وہاں ملے تھے جہاں قصرِ کاردار واقع ہے۔''

''میرے دوست کی دکان بھی اسی علاقے میں ہے۔'' نیاز بیگ نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلایا۔ زمر نے ہاشم کو دیکھا اور ستائشی انداز میں سر کو خم دیا۔ ''امپریسیو ٹینیس پریپ!'' اس نے مسکرا کے تعریف وصول کی۔ زمر فوراً سے واپس گھومی۔

''اور اس فون کا ماڈل کون سا تھا؟''

لمحے بھر کو کمرے میں سکوت چھا گیا۔ ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''آبجیکشن یور آنر۔'' ہاشم تیزی سے اٹھا۔ ''اس بات کو ایک سال گزر گیا ہے اب....''

''اوور رولڈ۔ کاردار صاحب بیٹھ جائیں اور گواہ کو جواب دینے دیں۔'' جج صاحب نے ناپسندیدگی سے اسے ٹوکا۔

''وہ سیم سانگ کا اسمارٹ والا فون تھا۔ جلدی میں پچیس ہزار کا بکا تھا۔ ایس سکس تھا۔'' نیاز بیگ فر سے بولا۔

''اور اس کا رنگ کیا تھا؟'' وہ ترنت بولی

''سیاہ رنگ تھا۔'' وہ اعتماد سے بولا۔ (اُف) نوشیرواں نے سر گرادیا۔

زمر نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ جج صاحب کے سامنے رکھے۔ ''یور آنر سعدی یوسف کے زیر استعمال ایک ہی فون تھا اور وہ آئی فون تھا سفید رنگ میں۔ یہ اس فون کی خریداری کی سلپ ہے اور یہ ابتدائی ایف آر آئی کی کاپی ہے جس میں میں نے فون کا رنگ اور ماڈل مینشن کیا تھا۔ استغاثہ عدالت سے درخواست کرتا ہے کہ نیاز بیگ کی گواہی پہ یقین نہ کیا جائے کیونکہ جس فون کے پیچھے سعدی کو مارنے اور وہ بھی دو ڈھائی لاکھ کے امپورٹڈ پستول سے مارنے کا یہ دعویٰ کر رہا ہے وہ فون اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔''

''یور آنر وہ ایک عام آدمی ہے۔'' ہاشم تیورا کے اٹھا۔ ''عام آدمی نے سیم سانگ اور آئی فون دیکھے تک نہیں ہوتے اور اس بات کو ایک سال گزر چکا ہے۔''

''کاردار صاحب۔'' زمر مسکرا کے اس کی طرف گھومی۔ ''آپ بہت خاص آدمی ہیں بڑے آدمی ہیں۔ امیر۔ بادشاہ لوگ۔ کبھی اپنے محل سے نکل کر اس ملک کی سڑکوں پہ دیکھیں۔ ماشاءاللہ سے روٹی ہو یا نہ ہو ہر دوسرے عام آدمی کے پاس یا تو اسمارٹ فون ہے یا سیل فون کے متعلق تمام اَپ ڈیٹس ہیں۔ خود نیاز بیگ کی گرفتاری کے وقت ان کے پاس سے دو قیمتی اسمارٹ فونز نکلے تھے۔ یو نو واٹ....'' وہ نیاز بیگ کی طرف گھومی جواب جلدی جلدی وضاحت دے رہا تھا۔ ''آپ موقع پہ نہ تھے نہ آپ نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا تھا۔ مجھے مزید کوئی سوال نہیں پوچھنا۔''

اب ہاشم اور زمر ایک ساتھ بول رہے تھے۔ مچھلی منڈی کی سی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسے میں سعدی پیچھے اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

''تھینک یو۔'' اس نے فارس کا شکریہ ادا کیا۔

''یور ویلکم۔'' اس نے سعدی کا کندھا تھپتھپایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ادھر زمر اب اگلی تاریخ مانگ رہی تھی تاکہ حنین یوسف کو پیش کر سکے جو ناسازیٔ طبع کی وجہ سے آج پیش نہیں ہو سکی تھی۔ نیاز بیگ کے چہرے کے سارے رنگ اُڑ چکے تھے اور وہ بار بار گھبراہٹ سے خود کو گھورتے ہاشم کو دیکھتا تھا۔ اسے اب ہاشم سے کون بچائے گا' یہ سوچ جان لیوا تھی۔

.....❖❖❖.....

مستقل صبر میں ہے کوہِ گراں ..... نقشِ عبرت صدا نہیں کرتا!

فوڈلی ایور آفٹر شام کے نیلگوں اندھیرے میں جگمگا رہا تھا۔ ندرت کاؤنٹر پہ کھڑے ہو کر فون پہ جھنجھلا کر کسی ویٹر سے کچھ کہہ رہی تھیں' جب ان کی نگاہ دروازے پہ پڑی اور لمحے بھر کے لئے وہ منجمد ہو گئیں۔

چوکھٹ میں ہاشم کاردار کھڑا تھا۔ اپنے تھری پیس کی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ مسکراتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ ندرت نے فقرہ سست روی سے مکمل کیا۔ وہ قدم قدم چلتا آگے آیا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ان کے بالکل ساتھ سے گزرا تھا وہ۔ ان کو نظر انداز کر کے۔ وہ پلٹ کے اسے جاتے دیکھنے لگیں۔ وہ واقف تھا کہ زمر کہاں ملے گی مگر پہلی دفعہ آنے کے باعث گردن گھما گھما کے وہ ریسٹورانٹ دیکھ رہا تھا۔

ندرت کی نگاہوں نے تب تک اس کا پیچھا کیا جب تک وہ اوپری ہال کے دروازے کے پیچھے گم نہ ہو گیا۔

زمر اپنی مخصوص میز کرسی پہ موجود تھی۔ ٹیبل لیمپ جلا ہوا تھا' چھت پہ لگا فانوس بھی روشن تھا' اور وہ کہنیاں میز پہ جمائے کام کر رہی تھی جب دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ آنکھیں اٹھائیں۔ ہاشم کو وہاں دیکھ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ در آئی۔ وہ مسکراتا ہوا ''گڈ ایوننگ۔'' کہتا سامنے آیا اور کرسی کھینچی۔

''آیئے کاردار صاحب۔ بیٹھئے۔ کیا خدمت کر سکتی ہوں میں آپ کی۔'' وہ بظاہر خوش دلی سے بولتی قلم بند کر کے پیچھے ہو بیٹھی۔

''پہلے تو چائے منگوائیں' لیکن بغیر شوگر کے۔''

زمر نے انٹر کام اٹھایا اور بولی۔ ''جنید' اوپر دو کافی بھیجیں۔'' اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ گھنگریالے بال اونچی پونی میں باندھے وہ کورٹ کے صبح والے سفید کپڑوں میں ملبوس تھی۔ (کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔) باہم پھنسے ہاتھوں میں نیلے پتھر والی انگوٹھی دمک رہی تھی۔

''اچھا ہے ریسٹورانٹ۔'' وہ ستائشی انداز میں سر کو خم دے کر کہہ رہا تھا۔ ''انٹیریئر اچھا ہے' ٹریڈیشنل ہے۔ تھوڑا سا ماڈرن ٹچ بھی آ رہا ہے جو کہ نہیں آنا چاہیے' لیکن خیر ہے۔ وال کلر بدلنا چاہیے۔''

''ایک دفعہ کیس سے فارغ ہو جائیں' پھر ری ماڈلنگ کریں گے اس کی۔''

''اوہ زمر!'' وہ افسوس سے گہری سانس لے کر بولا۔ ''I miss old times'' آواز میں ملال بھی تھا۔ اس پہ نگاہیں جمائے وہ یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آپ ڈی اے تھیں' سوری پراسیکیوٹر۔ میں آپ کے آفس میں آتا تھا' ہم ایک ساتھ چائے پیتے تھے' بہت سے کیسز کی ڈیل فائنل کرتے تھے' حکومت کا وقت اور پیسہ بچاتے تھے۔ اچھے دن تھے وہ۔''

''آپ کو کبھی افسوس ہوا ہاشم؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ ''جو آپ نے میرے ساتھ کیا' اس پہ؟''

''بہت زیادہ!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے بیٹھا' وہ یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے زندگی میں سب سے زیادہ ملال اسی بات کا ہے' میں نے آپ سے وہ خوشی لے لی جو مجھے سونیا کو پانے سے ملی تھی۔ آئی ایم سوری' زمر!''

''بہت شکریہ۔ خیر۔ یہ اچانک آپ کیوں آئے ادھر؟'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''میں کافی بور ہو چکا ہوں ٹرائل سے۔'' اس نے تھوڑی پہ ناخن رگڑتے ہوئے سوچنے والا انداز اپنایا۔

''یا شاید چیزیں آپ کے خلاف جانے لگی ہیں۔''

''ڈیل کر لیتے ہیں زمر! اس کیس کو ختم کر دیتے ہیں۔ چلیں' صلح کرتے ہیں۔''

''مجھے سوچنے دیں۔'' زمر نے کنپٹی پکڑ کے سر جھکا کے آنکھیں بند کیں' پھر دو سیکنڈ بعد ہاتھ نیچے گرایا اور آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔ ''میں نے بہت سوچا' مگر نہیں۔ میں اس کیس کو جیتنے میں انٹرسٹڈ ہوں۔''

''میں دیت دینے کو تیار ہوں۔ خون بہا۔ name a price''

''جتنی آپ دے سکتے ہیں اس سے دگنی رقم میں آپ کو دیتی ہوں' بدلے میں نوشیرواں کو ہمارے حوالے کر دیں۔''

''صرف شیرو کیوں؟ میں کیوں نہیں؟''

''اس کا جواب میں فیصلہ آنے کے بعد دوں گی۔ اور کچھ کہنا ہے آپ نے؟''

''زمر میں ہار نہیں رہا۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں آگے کو ہوا اور ہمدردی سے اسے دیکھا۔ ''میں جیت جاؤں گا۔ آپ کے پاس ایک بھی کریڈیبل گواہ نہیں ہے۔ لیکن.... فیصلہ آنے تک آپ لوگ بہت کچھ کھو چکے ہوں گے۔ چاہے وہ عزت ہو' نیک نامی ہو یا جان ہو۔ اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کا مزید نقصان کروں۔''

''اگر آپ کا دل اتنا ہی افسردہ رہتا ہے ہمارے مستقبل کا سوچ سوچ کے تو آپ ہمارا نقصان کرنے کا سوچتے ہی کیوں ہیں؟ یا شاید یہ باتیں کہہ کر آپ خود کو تسکین دیتے ہیں' کہ میں کتنا اچھا ہوں' بس یہ لوگ مجھے برا کرنے پہ مجبور کر رہے ہیں۔''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ ''آپ نہیں مانیں گی؟''

''آپ کو میرا جواب معلوم ہے۔ اور آپ اس ڈیل کے لئے یہاں آئے بھی نہیں۔ کیوں نا اب آپ وہ بات کریں جس کے لئے آپ یہاں آئے تھے۔''

ہاشم مسکرا کے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ ''میں نے آپ کو ہمیشہ بہت admire کیا ہے۔ گو کہ آپ کے پیچھے آپ کو گھمنڈی اور مغرور کہتا رہا ہوں میں' مگر آپ کے ساتھ کام کر کے اچھا لگتا ہے مجھے۔ میں یہاں صرف اس لئے آیا ہوں کہ میں ان اچھے پرانے دنوں کو کبھی کبھی مِس کرتا ہوں۔ میں چاہتا تھا ایک آخری بار ان دنوں کی یاد تازہ کروں۔ شاید پھر دوبارہ آپ کے ساتھ اس طرح بیٹھنے کا موقع نہ ملے۔''

''کیا آپ مجھے قتل کرنے جا رہے ہیں؟''

''میں کچھ نہیں کرنا چاہتا زمر۔ آپ مجھے مجبور کریں یہ الگ بات ہے۔ آپ کی کافی نہیں آئی!'' وہ اٹھتے ہوئے کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے بولا تھا۔ چہرہ پرسکون تھا۔ اور آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔

''جب میں جنید کو دو کافی لانے کا کہتی ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ٹھیک دس منٹ بعد دروازے پہ آ کر کہے کہ میرے چند اہم مہمان آئے ہیں تاکہ میں جلدی جان چھڑا سکوں۔'' تبھی دروازہ کھلا اور جنید نے اندر جھانکا۔ ''میم' آپ کے مہمان آئے ہیں۔''

زمر نے مسکرا کے ابرو اچکا کے ہاشم کو دیکھا۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ پھر میز پہ دونوں ہاتھ رکھے جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''میں آپ کو مِس کروں گا۔'' اس کی آواز میں کچھ ایسی ٹھنڈک سی تھی کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ مگر بظاہر مسکراتی رہی۔ ''اور کچھ؟''

ہاشم نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکالا اور اس کے سامنے رکھا۔

''کچھ دن سے میں اپنی ماں کی کی گئی تمام فنانشل transanctions کا حساب کتاب کر رہا تھا تو فارس کی دوسری گرفتاری کے وقت' جب آپ اس کا کیس لڑ رہی تھیں' مجھے چند بے ضابطگیاں ملیں۔ معلوم کروانے پہ علم ہوا کہ.... خیر جو علم ہوا وہ آپ کے ڈاکٹر نے اس کاغذ پہ لکھ دیا ہے۔ میں اس سب سے ناواقف تھا۔ پھر بھی معذرت کرتا ہوں۔ اور صرف یہ چاہتا ہوں کہ جدا ہونے سے پہلے آپ اپنے بارے میں ساری حقیقت جانتی ہوں۔'' لفافہ رکھ کے وہ اسے چونکتا چھوڑ کے مڑ گیا۔ دروازے تک پہنچ کے وہ مڑا۔

''taupe۔ ان دیواروں پہ taupe کلر کا پینٹ ہونا چاہیے۔'' خلوص سے مشورہ دیا اور باہر نکل گیا۔ زمر تیزی سے لفافہ چاک کر رہی تھی۔ اس کے ابرو اکٹھے ہوئے تھے اور لب بھنچے ہوئے تھے۔

ندرت ابھی تک کاؤنٹر کے قریب کھڑی تھیں۔ بس چپ سی۔ وہ ان کے قریب سے گزرنے لگا تو رکا۔

''آپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کو عدالت کی بھینٹ نہ چڑھائیں' اس کی عزت ایک دفعہ چلی گئی نا تو واپس نہیں آئے گی۔'' نرمی سے ان کو دیکھ کر دھیرے سے بولا تھا۔ ندرت کی آنکھیں اسی طرح اس پہ جمی رہیں۔

''اکثر رات کو تسبیح پڑھتے پڑھتے میں سوچتی ہوں تمہارا انجام کیسا ہوگا' ہاشم۔ پھر میں کوشش کرتی ہوں کہ اس انجام کی نسبت سے تمہارے لئے بددعا کروں' مگر نہیں کر پاتی۔ تمہاری سب سے بڑی سزا پتہ ہے کیا ہونی چاہیے؟ تمہیں ہدایت مل جائے' اور پھر تم ساری زندگی اپنے گناہوں کو یاد کر کے پچھتاتے رہو۔''

''تھینک یو۔ واٹ اے ورلڈ!'' وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ ریسٹورانٹ کے مہمان مڑ مڑ کے اس کو دیکھ رہے تھے۔ ستائش سے۔

مرعوبیت سے۔تحیر سے۔سب کی نظریں مختلف تھیں۔مگر پھر سب کی نظریں ایک سی ہوتیں تو یہ دنیا تو جنت ہوتی!

.....❖❖❖.....

اجاڑ بن میں اترتا ہے ایک جگنو بھی ..... ہوا کے ساتھ کوئی ہم سفر بھی آتا ہے

سڑک رات کے اندھیرے کے باعث تاریک بھی تھی مگر جا بجا لگے اسٹریٹ پولز کی تیز روشنی کے باعث روشن بھی تھی۔وہ سامنے دیکھتا توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا جب موبائل اسکرین چمکی۔فارس نے مصروف انداز میں اسے اٹھایا' مگر اگلے ہی لمحے تیزی سے بریک پہ پاؤں رکھا۔آبی نے لکھا تھا۔

''ہاشم نے مجھے یہ تصویر بھیجی ہے۔ساتھ لکھا ہے He cannot protect his women۔میں کیا کروں؟''اور نیچے تصویر میں وہ دونوں....فارس اور آبی....ایئر پورٹ سے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔فارس نے آنکھیں بند کیں۔(میں نے اس لڑکی کو کتنا نقصان پہنچا دیا۔اُف) پھر وہ جلدی جلدی لکھنے لگا۔

''کہاں ہیں آپ؟ میں آ رہا ہوں۔''

قریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ ہارون عبید کی رہائشگاہ میں بنے لان میں کھڑا تھا۔سامنے اداس نظر آتی آبدار موجود تھی' اور وہ اسے تسلی دینے والے انداز میں بتا رہا تھا۔

''میں نے آپ کی سیکیورٹی ٹیم ری اسیمبل کر دی ہے۔آپ کے فون میں ایک ایپ بھی ڈال دی ہے' جس کے ذریعے آپ جہاں بھی ہوں گی' مجھے خبر ملتی رہے گی۔''

آبدار نے اثبات میں سر ہلایا۔نگاہیں اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''میں نے آپ کو اس مصیبت میں ڈالا ہے' میں نکال بھی لوں گا۔ڈونٹ وری۔''

''اگر اس نے مجھ سے کچھ پوچھا تو؟''وہ ڈری ہوئی نظر آتی تھی۔

''تو سارا الزام میرے اوپر ڈال دیجئے گا۔میں نے آپ کے والد کی زندگی کو نشانہ بنا کر آپ کو بلیک میل کیا۔کچھ بھی کہہ دیجئے گا۔مگر یہ نہیں کہنا کہ آپ نے اپنی خوشی سے سب کیا۔''وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

''میں آپ پہ الزام ڈال دوں؟ اتنی خود غرض لگتی ہوں میں آپ کو؟''

''بس وہی کریں جو میں نے کہا ہے۔مجھ پہ الزام ڈالیے گا۔بس۔''وہ ہاتھ اٹھا کے قطعیت سے کہہ رہا تھا۔آنکھوں میں عجیب بے بسی بھری فکرمندی بھی تھی۔

''وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا فارس۔اس نے آپ سے منسوب عورتوں کی بات کی ہے۔میں تو آپ سے منسوب نہیں ہوں۔''

''جو بھی ہے۔میں اس دفعہ اس کو اپنے سے جڑے لوگوں کو نقصان نہیں دینے دوں گا۔''اس کی آواز میں برہمی در آئی۔

آبدار ہلکا سا مسکرائی۔(تو یہ تھی فارس غازی کی کمزوری جس پہ وہ دوڑا چلا آیا تھا۔اس کی حمیت۔بے بسی کا وہ احساس کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکا تھا پہلے۔)

''کاش میرے بابا بھی آپ جیسے ہوتے۔اپنی عورتوں کے لئے اتنے ہی کیئرنگ ہوتے۔جبکہ وہ تو اندر بیٹھے اس بات پہ خوش ہیں کہ مجھے آپ کی شکل میں ایک باڈی گارڈ مل گیا۔اب وہ اس بات کو بھی کسی طرح ہاشم پہ دباؤ ڈالنے کے لئے استعمال کریں گے۔''

فارس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے پھر بند کر دیے۔آبدار کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''ہاں وہ سب سچ ہے۔'' وہ چونکا۔

''میں نے تو کچھ نہیں پوچھا۔''

''مگر پوچھنا تو چاہتے تھے نا۔ بیٹھئے میں بتاتی ہوں۔'' اس نے لان چیئر کی طرف اشارہ کیا تو وہ دھیرے سے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ وہ ہر آخری موڑ پہ ایک نئی سڑک کھود دیتی تھی اور وہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھنے پہ مجبور تھا۔

اب وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی' اور نظریں کیاریوں میں لگے پھولوں پہ جمائے ہوئے تھی۔

''وہ اسکینڈل سچا ہے۔ میری ماں کے بارے میں مسز کاردار نے خبریں چھپوائیں تھیں اخبار میں۔ کہ وہ فلاں شخص کے ساتھ۔'' اس نے تکلیف سے سر جھٹکا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ ''پھر بابا نے میری ماں کو قید کر دیا۔ کولمبو کے اسی تہہ خانے میں۔ کرنل خاور نے اس جیل کو بنایا تھا اور اس میں جھول رکھے تھے تاکہ ضرورت پڑنے پہ وہ ان کو نکال کر لے جا سکے۔ ہم لوگ کراچی چلے گئے۔ بابا نے سیاست ترک کر دی۔ ہم گمنامی کی زندگی رہنے لگے۔ فون نمبرز بدل دیے۔ سوشلائزنگ چھوڑ دی۔ مگر ماں کو نہیں چھوڑا بابا نے۔ اس کے سوئس اکاؤنٹ میں کافی رقم پڑی تھی۔ بلیک منی جو لانڈر کر کے ادھر بھیجی گئی تھی۔ مگر ماں کو پتہ تھا کہ جس دن اس اکاؤنٹ کا کوڈ ان کو دے دیا' یہ لوگ ان کو مار دیں گے۔ انہوں نے ہر تشدد سہا مگر اکاؤنٹ نہیں دیا۔ پھر ایک دن خاور ان کو نکال کر لے گیا مسز جواہرات کے پاس۔ جو کام اتنے عرصے کا تشدد نہ کرا سکا' وہ مسز کاردار کے چند میٹھے بولوں' ہمدردی اور اعتماد نے کروا دیا۔ میری ماں نے ان کو ساری معلومات دے دیں' اور کہا کہ وہ پیسے ان کو نکلوا دیں تاکہ وہ روپوش ہو سکیں۔ وہ زخمی تھیں' ٹھیک سے چل بھی نہیں سکتی تھیں۔ مسز کاردار نے اس اکاؤنٹ کو اپنے قبضے میں کیا' ان سے مختلف کاغذات پہ دستخط کروائے' اور پھر ان کو مروا دیا۔ وہ بہت بڑی رقم تھی اور وہ آج بھی انہی کے پاس ہے۔ نہ صرف رقم بلکہ میری ماں کے لاکر میں جیولری بھی بہت تھی۔ مسز کاردار صرف ان سے بدلہ لینا چاہتی تھیں۔ انہوں نے بابا کو مسز کاردار سے چھینا تھا نا۔ اس دن سے بابا ان سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔'' وہ بولے جا رہی تھی اور وہ سنے جا رہا تھا۔ غور سے' توجہ سے۔

''مجھے بابا کا ان کی طرف التفات دیکھ کر ڈر لگتا تھا کہ بابا ان کو اپنا ہی نہ لیں مگر اب میں جان گئی ہوں کہ وہ صرف ان کو اذیت دینا چاہتے تھے۔ مسز کاردار مجھے پسند کرتی تھیں' ہاشم کے لئے' مگر جب سے میں نے ان کو بلیک میل کرنا شروع کیا ہے وہ میری سب سے بڑی دشمن بن گئی ہیں۔''

''ہاشم کو آپ کب سے جانتی ہیں؟'' اس نے اپنائیت سے پوچھا تھا۔ آبدار ابھی تک کیاری کو دیکھ رہی تھی' اداسی سے ذرا سا مسکرائی۔ ''اس نے میری جان بچائی تھی۔ میں سمندر میں ڈوب گئی تھی۔ وہ مجھے باہر لایا تھا' اس نے مجھے نئی زندگی دی تھی۔''

''اور تب سے ہی آپ دوسروں کے NDEs میں دلچسپی رکھنے لگی ہیں؟ آپ خود بھی چند لمحے کے لئے کلینکل ڈیتھ کا شکار ہوئی تھیں شاید۔''

آبی نے چونک کے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ بہت سے رنگ آ کر گزر گئے۔ جیسے وہ ہیجان کا شکار ہوں۔

''آپ کلینکل ڈیتھ کے تجربات پہ یقین رکھتے ہیں؟''

''نہیں آبدار۔ مجھے لگتا ہے یہ لوگ خواب دیکھتے ہیں اور اس کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں۔''

''وہ خواب نہیں تھا۔'' آبی نے آنکھیں بند کیں۔ ''وہ حقیقت تھی۔ میں نے پہلی دفعہ جانا تھا کہ روح اور جسم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ میری روح میرے جسم سے نکل گئی تھی۔ پانی کے اندر سے ہوتی ہوئی وہ ایک گہری تاریک سرنگ سے گزری تھی۔ سرنگ بہت لمبی تھی۔ اختتام پہ روشنی تھی۔ میں بہت ہلکی ہو گئی تھی۔ ہوا سے ہلکی۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں اپنے جسم سے اوپر اٹھ گئی ہوں۔ اور نیچے میں نے دیکھا' وہ مجھے پانی سے باہر لا رہا تھا۔ اس کی شرٹ کی پشت پہ سیپی چپکی ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے وہ منظر....''

''پھر کیا ہوا؟''

''پھر ایک آرٹھی.... سفید لکیر.... مگر وہ لکیر نہیں تھی وہ کچھ اور تھا۔ اس کے پار میری ماں کھڑی تھی۔ اور ایک کزن جو کچھ عرصہ پہلے فوت ہوا تھا۔ وہ مجھے واپس مڑنے کو کہہ رہے تھے۔ شاید وہیں میں نے اسے دیکھا۔ وہ ایک روشنی سے بنا وجود تھا۔ انسان نہیں۔ بس ایک وجود تھا۔ A being of light۔ سراپا نور۔ اس سے پھوٹتے رنگ بدل رہے تھے۔ سرخ ہو رہے تھے جیسے وہ غصے میں ہو۔ وہ مجھ سے خفا تھا۔ میں نے بہت لوگوں کے انٹرویو کیے' یہودی' عیسائی' ہندو' حتیٰ کہ athiests کے بھی۔ وہ کسی سے خفا نہیں تھا۔ کسی نے اس کے بدلتے رنگ نہیں دیکھے۔ تو میں نے کیوں دیکھے؟ سب کو اس نے علم حاصل کرنے کا اور لوگوں سے محبت کرنے کا پیغام دیا۔ میرے اوپر اس نے غصہ کیا۔ کچھ کہا نہیں۔ بس غصہ' طیش.... غضب.... یہی محسوس ہوا مجھے۔ کیوں؟''

''کیونکہ آپ نے خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔'' وہ ہلکا سا مسکرا کے بولا۔ وہ بالکل ٹھہر گئی۔ یک ٹک ساکت سی اسے دیکھے گئی۔

''آپ اپنے والد کی توجہ کے لئے خودکشی کرنے جا رہی تھیں۔ آپ نے پہلے بتایا تھا ایک دفعہ۔ یہ جان اتنی ارزاں نہیں ہوتی کہ اسے یوں ضائع کیا جائے۔ کبھی کسی خودکشی کر کے واپس آنے والے مریض کا انٹرویو کیا آپ نے؟''

آبی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جو اپنی جان کو بے مقصد ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں یا دوسروں کی جانوں کے ساتھ کھیلتے ہیں' وہ توبہ کیے بغیر مر جائیں تو قابلِ معافی نہیں ہوتے۔ اس لیے شاید اس نے آپ پہ غصہ کیا ہو۔'' پھر گھڑی دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں اب چلتا ہوں۔ کوئی مسئلہ ہو تو بتائیے گا۔''

آبی نے بدقت اثبات میں سر ہلایا۔ ''تھینک یو۔ مسز زمر کو میرا اسلام کہیے گا۔''

''شیور۔'' وہ گہری سانس لے کر پلٹ گیا۔ آبدار کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

.....❖❖❖.....

خالی دامن سے شکایت کیسی؟ ..... اشک آنکھوں میں تو بھر جاتے ہیں!

حنین نے آج پھر سبق نہیں سنایا تھا۔ میمونہ کا فون آیا تو اس نے سر درد کا بہانہ کر دیا لیکن وہ اصرار کرنے لگی کہ تھوڑا سا قرآن سے دیکھ کر ہی سنا دو' بس ناغہ نہ ہو۔ تب وہ وضو کر کے اپنے بیڈ پہ آ بیٹھی اور قرآن کھول لیا۔ سورۃ مریم آج کل وہ حفظ کر رہی تھی۔ صفحے سے دیکھ کر سنانے لگی۔ چند آیات کے بعد ہی اس کی سانس اتھل پتھل ہونے لگی مگر وہ تلاوت کرتی رہی۔

''(کہا ابراہیم نے) اے میرے باپ بے شک مجھے خوف ہے کہ تم پر اللہ کا عذاب آئے پھر شیطان کے ساتھی ہو جاؤ۔ کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے البتہ اگر تو باز نہ آیا میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور مجھ سے ایک مدت تک دور ہو جا۔ کہا (ابراہیم نے) تیری سلامتی رہے اب میں اپنے رب سے تیری بخشش کی دعا کروں گا بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ اور میں تمہیں چھوڑتا ہوں اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور میں اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔ پھر جب ان سے علیحدہ ہوا اور اس چیز سے جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔ اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت سے حصہ دیا اور ہم نے ان کے لیے ''لسان الصدق'' (نیک نامی) بنائی۔'' (50-42)

سانس مزید پھول گیا تو اس نے بس کر دی۔ اور اجازت مانگی۔ فون بند کرنے کے بعد وہ نیرس پہ آ بیٹھی اور کتنی ہی دیر یونہی بیٹھی رہی۔ اندھیرا پھیل رہا تھا' ڈپریشن سا ڈپریشن تھا۔ اور تب اس کی نظر کالونی میں دور ایک درخت سے ٹیک لگائے شخص پہ پڑی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اس عام سے مور چال کو بہت حسرت سے دیکھ رہا تھا۔ تاریکی کے باوجود وہ اس کی آنکھیں پڑھ سکتی تھی۔ وہ تیزی سے نیچے کو بھاگی۔

''نوشیرواں بھائی!'' چند منٹ بعد وہ اپنا گیٹ عبور کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کے سیدھا ہوا مگر خاموش

ویران آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

''آپ ادھر کیا کر رہے ہیں؟ جانتے ہیں نا' کورٹ میں یہ بات آپ کے خلاف جا سکتی ہے؟ اس لئے چلتے بنیں۔'' درشتی سے وہ بولی تھی۔

''لوزر.... سپر لوزر.... یہی کہا تھا نا تم نے مجھے۔ اگر پیچھے مڑ کے دیکھو تو یہ سب تمہاری زبان کی وجہ سے شروع ہوا تھا۔'' وہ تلخی سے بولا تھا' ایسی تلخی جس میں ملال زیادہ تھا۔ حنین چونک کے واپس گھومی۔ ''کیا؟''

''تم دونوں کو کبھی احساس ہوا حنین کہ تم لوگ اپنے احساسِ برتری میں مجھے کتنا ہرٹ کر جاتے تھے؟ میری کتنی بے عزتی کرتے تھے؟ اور آئی ڈونٹ کیئر اگر تم یہ سب ریکارڈ بھی کر لو۔ لیکن میں نے جو کچھ کیا وہ اس لئے کیا کیونکہ تم دونوں نے مجھے ہمیشہ بے عزت کیا۔ کبھی میری عزت نہیں کی۔''

''صحیح!'' حنین نے سینے پہ بازو لپیٹ لئے اور سر کو خم دیا۔ ''میں نے واقعی آپ کو بہت ڈی گریڈ کیا ہے۔ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''لیکن اس کے باوجود میں پورے ملک میں بدنام ہو چکا ہوں' اور تمہارا بھائی دو قتل کر کے بھی بدنام نہیں ہوا۔ اس کے خلاف انکوائری نہیں ہوتی۔ وہ ہر دفعہ بچ جاتا ہے۔ کوئی ایک لمحے کے لئے بھی کیوں نہیں سوچتا کہ وہ اور تم.... تم دونوں بھی میرا دل دکھاتے تھے۔'' وہ دکھی دل سے کہہ رہا تھا' گویا پھٹ پڑا تھا۔

''کیونکہ ہم ''لوگ'' تھے اور ''لوگ'' باتیں کرتے ہیں نوشیرواں بھائی۔ لوگوں کا کام ہی باتیں کرنا ہے۔ آپ کو لوگوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن آپ بھی کیسے پرواہ نہ کرتے۔'' وہ تلخی سے ہلکا سا مسکرائی تھی۔ ''جب لوگ ہمارے بارے میں باتیں کرتے ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہمیں لگتا ہے ہماری عزت خراب ہو گئی ہے۔ ہم دوبارہ سر اٹھا کے نہیں جی سکیں گے۔ ہمارا خاندان ہمیں رسوا کر دے تو لگتا ہے ساری زندگی ہی ختم ہو گئی ہے۔ بدکاری کی سزا سنگسار کرنا ہوتا ہے۔ سرِ عام پتھر مار کر ہلاک کرنا۔ یہ ایک توہین آمیز سزا ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے یہی سزا سنائی تھی۔ ان کی عزت ختم کرنے کے لئے۔ کیونکہ لوگ ان کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ ان کے بتوں کو زمین بوس کرنے والا ہے ایک نوجوان... کہتے ہیں جسے ابراہیم۔ وہ سچے تھے مگر زمانے بھر نے ان کے خلاف باتیں کیں' سازشیں کیں۔ ان کو تنہا کر دیا۔ ان کی عزت ختم ہو کر رہ گئی۔ ان کو ان کے گھر سے نکال دیا گیا' جب آگ میں نہ جلا سکے تو ملک سے نکال دیا۔ پھر کیا ہوا؟'' وہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی۔ شیرو یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''پھر یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسحٰق بھی دیئے' اسمٰعیل بھی' اور یعقوب بھی۔ ان کو اللہ نے کعبہ بنانے کا شرف بھی دیا اور ان کے نام کو رہتی دنیا تک ہماری نمازوں کا' ہمارے درود کا حصہ بنا دیا۔ تین بڑے ادیان کے پیروکار یہود... عیسائی... مسلمان... اس بات پہ جھگڑتے ہیں کہ ابراہیم ہمارا ہے۔ سب انہی کو اپنانا چاہتے ہیں' ان کو اپنے دین میں داخل دکھانا چاہتے ہیں جن کو ان کے گھر والوں نے نکال دیا تھا۔ جن کی وہ لوگ عزت نہیں کرتے تھے۔'' وہ بول رہی تھی اور اس کا سانس مزید پھولتا جا رہا تھا۔ اس کی رنگت سرخ پڑ کے تمتمانے لگی تھی اور آواز بلند ہو رہی تھی۔ ''اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے لسان الصدق بنائی۔ سچی زبان۔ سچی تعریف۔ نیک نامی۔ جو رہتی دنیا تک اور اس کے بعد بھی قائم رہے گی۔ مگر ہم نوشیرواں بھائی' ہم کتنے بھلکڑ لوگ ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لوگ ہمیں بے عزت کریں گے تو ہماری عزت اور نیک نامی چلی جائے گی؟ ہم رسوا ہو جائیں گے؟ لوگ ہمارے بارے میں باتیں کریں گے تو ہم کبھی سر اٹھا نہیں سکیں گے؟ تو پھر کون تھا وہ شخص جس نے اپنے وقت کے بڑے بڑے خداؤں کو کلہاڑا مار کے توڑا تھا' جس کے بارے میں سب لوگ بری بری باتیں کرتے تھے مگر آج اس جیسا نیک نام کوئی نہیں؟ نہیں نوشیرواں بھائی.... لوگوں کا کام تو ہوتا ہے باتیں کرنا۔ کسی انسان کی عزت لوگوں کی زبانوں سے نہیں بندھی ہوتی کہ وہ زبان کھولیں گے اور عزت گر جائے گی۔ اللہ....'' اس نے انگلی اٹھا کے اوپر اشارہ کیا۔ ''صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے ہر انسان کی

عزت۔وہ نہ چاہے تو کوئی رسوا نہیں ہوسکتا۔اور جانتے ہیں کیوں اچھے بھلے دیندار لوگ ایک دن اچانک سے ہماری نظروں سے گر جاتے ہیں؟ جب ان کی سیاہ کاریاں سامنے آتی ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بدل گئے ہیں' مگر وہ پہلے بھی اچھے نہیں تھے۔ان کی نیت شروع سے خراب تھی اور شروع میں اللہ نے ان کو چانس دیا مگر جب انہوں نے اپنی نیت درست نہ کی تو اللہ نے ان کی تمام محنتوں اور کوششوں کو انہی کے ہاتھوں برے کاموں میں لگایا' یوں ان کی نیتیں سب پہ کھل گئیں۔انسان بری نیت نہ رکھے تو اللہ اسے کبھی رسوا نہیں کرتا۔یہی پوچھنا چاہتے تھے نا آپ۔یہی ہے آپ کا جواب۔کسی کی عزت کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ہمارا سارا خاندان ہماری بے عزتی کرے گا تو اللہ اس سے کئی زیادہ لوگ پیدا کردے گا جو ہماری عزت کریں گے۔اگر ہم نے اپنے گناہوں پہ معافی مانگ لی ہے' اور دوسروں کا بھلا سوچنے لگ گئے ہیں نا' ہماری نیت درست ہے نا' تو اللہ ہمیں کسی انسان کے ہاتھوں رسوا نہیں کرے گا۔اگر ہم انسانوں کی بھلائی سوچیں' اور اپنی نیت کو نیک کرلیں تو ملے گی ہمیں وہ عزت جسے کوئی انسان داغدار نہیں کرسکے گا۔اسلئے ان بتوں سے ڈرنا نہیں چاہیے۔کلہاڑا مار کے ان کو توڑ دینا چاہیے۔کوئی ہمارے گھر کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھے تو اس کی آنکھ کو تیر مار کے پھوڑ دینا چاہیے۔کسی کو نقصان دینے میں پہل کرنے کا نہ سوچنا ہے' نہ یہ کرنا ہے۔لیکن ہماری غلطیوں کی کہانیوں کے مرد کردار اگر ہم عام لڑکیوں کو یہ کہہ کے دھمکائیں کہ وہ ہماری تصاویر یا ہمارے راز پوری دنیا کو دکھا دیں گے تو ان کو کہنا چاہیے کہ جاؤ جاؤ...دکھا دو سب کو...تم پھر بھی مجھے رسوا نہیں کرسکتے۔دنیا کے سارے بدکردار مرد اکٹھے ہو جائیں وہ تب بھی تائب ہوئی ہم عام لڑکیوں کو رسوا نہیں کرسکتے۔یہ ہوتی ہے توبہ اور اچھی نیت۔عزت پانا چاہتے ہیں نا آپ؟ تو لوگوں کی بھلائی کے لئے کام کرنا شروع کریں۔ میں بھی عزت پانا چاہتی ہوں' اس لئے میں اب ڈرے

بغیر دوسروں کا سوچوں گی۔اپنے بھائی کا سوچوں گی جس کے لئے مجھے گواہی دینی ہے۔پھر تیر مارنا پڑے یا کلہاڑا' اللہ شاہد ہوگا کہ میری نیت بری نہیں تھی۔'' اس کی گلابی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔چہرہ دہک رہا تھا۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔وہ سُن سا ہوا اسے دیکھے جارہا تھا۔وہ اب اندر کی طرف مڑ گئی تھی مگر وہ ہنوز وہیں کھڑا تھا۔اس کے الفاظ کی بازگشت ابھی تک کالونی کے درختوں سے ٹکرا ٹکرا کے پلٹ رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

کرب چہرے سے ماہ و سال کا دھویا جائے ..... آج فرصت سے کہیں بیٹھ کے رویا جائے

فارس جس وقت کمرے میں آیا' وہ بیڈ پہ کروٹ لئے لیٹی تھی۔رخ دوسری طرف تھا۔آنکھوں پہ بازو رکھے ہوئے تھی۔

''محترمہ....وہ دن کب آئے گا جب میں گھر آؤں گا اور آپ میرے کسی جرم کی پاداش میں مجھ سے خفا نہیں بیٹھی ہوں گی؟'' وہ سنگھار میز کے قریب کھڑا' گھڑی اتارتے ہوئے' مسکراہٹ دبائے آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا جو ہنوز کروٹ لئے لیٹی نظر آرہی تھی۔''تو پھر پاکستان پینل کوڈ کی کونسی دفعہ کے تحت میرے اوپر آج چارجز فریم کیے جائیں گے؟ میں آپ سے بات کررہا ہوں' زمر بی بی۔'' گھڑی اتار کر رکھی اور آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے شرٹ کے آستین موڑنے لگا۔

''نہیں لگایا میں نے اس کا دیا ہوا پرفیوم۔پھر کیا ہوا ہے؟ کس بات پہ ناراض ہو؟'' وہیں سے اسے پکارا۔وہ نہیں ہلی۔نہ کوئی جنبش، نہ آواز۔وہ پہلے قدرے حیران ہوا' اور پھر گھوم کے اس کی طرف آیا۔وہ چہرے پہ دونوں بازو رکھے ہوئے تھی' مگر جتنا چہرہ نظر آرہا تھا' وہ...گیلا تھا...بے حد گیلا۔

''زمر....کیا ہوا ہے؟'' وہ ششدر سا اس پہ جھکا' اور اس کے بازو ہٹائے۔اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔چہرہ سامنے آیا تو وہ نیچے فرش کو دیکھتی روئے جارہی تھی۔پلکوں پہ اتنا پانی لدا تھا کہ حد نہیں۔

''کیا ہوا ہے؟ اٹھو بیٹھو۔'' وہ حیران پریشان سا سہارا دے کر اسے بٹھانے لگا۔اس نے پھر کوئی مزاحمت نہیں کی' بس ڈھیلی سی اٹھ

کے بیٹھ گئی۔ گھنگریالے بالوں کی پونی ڈھیلی پڑ چکی تھی اور شدتِ گریہ سے ناک اور آنکھیں گلابی ہو کے دھک رہی تھیں۔

''مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟'' کبھی وہ اس کو شانوں سے تھام کر اپنی طرف موڑتا' کبھی اس کا چہرہ تھپتھپاتا۔ ''ادھر دیکھو۔ مجھے بتاؤ۔ کیا ہوا ہے؟''

''مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ میں عام نہیں ہوں۔ بلکہ عام لوگوں سے بہت مختلف ہوں۔ برتر ہوں۔'' وہ روتے ہوئے ہچکیوں کے دوران بولی تھی۔ وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے لگتا تھا میں چونکہ پراعتماد ہوں' مضبوط ہوں' ایک کریڈیبلٹی ہے میری' تو ہاشم مجھے کچھ تو سمجھتا ہوگا۔ کورٹ میں مجھے لائٹ نہیں لیتا تو ایسے بھی نہیں لیتا ہوگا۔ مجھے لگتا تھا کوئی تو اہمیت ہوگی میری۔ ایک عورت ہونے کی حیثیت سے۔ ایک باہمت بہادر عورت ہونے کی حیثیت سے۔ مگر نہیں۔ میں تو ان لوگوں کے لئے ایک چیونٹی سے بڑھ کر نہیں ہوں۔''

''کیا ہوا ہے زمر؟ مجھے کچھ بتاؤ تو سہی۔'' وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔ زمر نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''اس لئے مارا پیٹا تھا تم نے میرے ڈاکٹر کو؟ اسی لئے نا؟''

فارس ایک دم بالکل گنگ سا ہو گیا۔ ''کیا؟''

''مجھے پتہ ہے تم نے اسے مارا تھا۔ کیوں مارا تھا؟ آج ہاشم نے بتا دیا ہے۔''

''کیوں مارا تھا؟'' وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ کے بولا تھا۔

''جب تم جیل میں تھے تو اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ میرا کڈنی ناکارہ ہو چکا ہے۔ تم سمجھ گئے تھے' میں نہیں سمجھی تھی۔ مجھے لگتا تھا میں بہت عقلمند ہوں' مگر میں عام سی بے وقوف سی عورت ہوں۔'' وہ پھر سے بلک بلک کے رونے لگی تھی۔

''یہ.... یہ بتایا ہے اس نے تمہیں؟ بس یہی کیا اس نے یا اس نے کچھ اور بھی؟'' وہ سانس روکے پوچھ رہا تھا۔

''اس سے زیادہ وہ کیا کر سکتا تھا؟ فارس اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا تھا؟'' وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے چہرہ جھکائے روئے جا رہی تھی۔ ''میں نے کیا بگاڑا تھا ان لوگوں کا۔ میں نے ان کو کب نقصان دیا؟ کبھی ان کا دل بھی نہیں دکھایا پھر کیوں مذاق بنا دیا انہوں نے میری زندگی کو؟'' فارس نے گہری سانس لی اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگایا۔

''آئی ایم سوری' مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا' مگر میں نہیں بتا سکا۔ میرے اندر ہمت نہیں تھی تمہیں پھر سے توڑنے کی۔'' وہ اس کا سر نرمی سے تھپکتے ہوئے ملال سے کہہ رہا تھا۔

''تماشا بنا دیا میری زندگی کو میں کیا ہوں ان کے لئے؟ فارس میں کیا ہوں ان کے لئے؟'' وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی جا رہی تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''وہ دن بہت برے تھے۔ تم جیل میں تھے۔ میں اکیلی تھی۔ میں کسی سے اپنا مسئلہ شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ میں کتنی پریشان تھی۔ مجھے لگا میں مرنے جا رہی ہوں۔ میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے پھر بھی خود کو مرنے کے لئے تیار کر لیا تھا۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا' دور کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے کہہ رہا تھا' اور وہ آنکھیں اس کے کندھے پہ رکھے روئے جا رہی تھی۔

''ہر روز مجھے لگتا تھا کہ میں مرنے والی ہوں۔ انہوں نے میری ساری امیدیں توڑ دیں۔ مجھے خواب دیکھنے کا موقع بھی نہ دیا۔ میں نے کیا بگاڑا تھا ان کا؟ مجھے کیوں یہ ہر دفعہ پیر تلے مسل کر چلے جاتے ہیں۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میرے سر پہ تلوار لٹک رہی تھی۔ زمر مرنے والی ہے۔ ہر روز یہ الارم بجتا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ٹھیک سے اندر سے خوش بھی نہیں ہو پاتی تھی۔ اندر ہی اندر مجھے ڈپریشن کھا رہا تھا۔ میں نئی زندگی کو پلان بھی نہیں کر پاتی تھی۔ کیوں کھیلتے رہے وہ میری صحت کے ساتھ؟''

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم ٹھیک ہو۔ تمہیں اب کچھ نہیں ہوگا۔''

''اب میں کیسے یقین کروں کہ اب میں زندہ رہوں گی؟ میں مرنے کے لئے تیار تھی۔ میں اپنی تیاری کو کیسے بدلوں فارس؟ میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔'' وہ اسی طرح روئے جا رہی تھی۔ سسکیوں اور ہچکیوں کے باعث اس کی آواز مدغم تھی۔ الفاظ بے ربط اور گڈمڈ سے ہو رہے تھے۔ وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔

کیا وہ اسے بتائے؟ کیا وہ اسے ایک دفعہ پھر سے توڑے؟ اونہوں۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ زمر کے آنسو ہنوز آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

.....❖❖❖.....

تُو میرا حوصلہ تو دیکھ، داد تو دے کہ اب مجھے ..... شوقِ کمال بھی نہیں ، خوفِ زوال بھی نہیں!

عدالتی کمرے میں آج عجیب تناؤ زدہ ماحول تھا۔ جواہرات کا ردار مطمئن سی سیاہ لباس اور ہیروں کی جیولری پہنے شاہانہ انداز میں بیٹھی تھی۔ نوشیرواں بھی ہر دفعہ کی طرح تیار سا' ویران چہرہ لئے موجود تھا۔ ساتھ بیٹھا ہاشم چبھتی مسکراتی نظروں سے کٹہرے میں کھڑی حنین کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک پلندہ بھی تھا۔

اس نے کھلتے ہوئے گلابی رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ گلابی دوپٹہ سر پہ لپیٹے' وہ قرآن پہ ہاتھ رکھ کے حلف اٹھا رہی تھی۔ آن ماتھے کے کٹے بال ماتھے پہ گرنے کی بجائے پن لگا کر پیچھے کو چوٹی میں کس دیے تھے اور وہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ تروتازہ چہرے کے ساتھ' بہت اطمینان سے کھڑی تھی۔ جج صاحب کرسی پہ پورا گھومے اس کو دیکھ رہے تھے۔ زمر کے قریب بیٹھا سعدی سر جھکائے ہوئے تھا' بار بار اٹھنے کا ارادہ کرتا مگر زمر روک دیتی۔ ''اسے اکیلا چھوڑ دو گے؟'' اور وہ بیٹھ جاتا۔ آخری کرسیوں پہ بیٹھے فارس نے گردن موڑ کے سیم کو دیکھا جس کی نظریں کٹہرے پہ جمی تھیں۔ فارس غیر آرام دہ سے انداز میں بولا۔

''تمہیں آج نہیں آنا چاہیے تھا اسامہ۔''

اسامہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''اسے مورل سپورٹ نہ دوں؟ اکیلا چھوڑ دوں؟ ٹھیک ہے' جب وہ میری الماری سے چاکلیٹس کھا جاتی ہے اور میری کاپی پہ کور نہیں چڑھا کے دیتی تو دل کرتا ہے اس کی گردن مروڑ دوں' لیکن ہے تو وہ میری بہن نا۔''

''او کے تھینک یو اسامہ!'' وہ خفگی سے سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا۔

''اچھا آپ کی عمر کیا ہے؟'' جج صاحب نے اس نازک' دبلی پتلی' دراز قد مگر کم عمر لڑکی کو دیکھ کر پوچھا۔ وہ عام شکل وصورت کی تھی اور کمزور سی دکھتی تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں چمکدار تھیں اور پیشانی روشن تھی۔ سوال پہ اس نے نگاہوں کا رخ ان کی طرف پھیرا۔ ''بائیس سال یور آنر۔'' مگر جج صاحب کو وہ اب بھی ''مائنر'' لگ رہی تھی سو سمجھاتے ہوئے بولے۔ ''اچھا ایسا ہے کہ ابھی یہ مسز زمر آپ سے سوال کریں گی' اس کے بعد وکیل صفائی آپ سے جرح کریں گے' اور....''

''جی یور آنر' قانونِ شہادت آرٹیکل 132 کے تحت پہلے جس وکیل نے مجھے بلایا ہے وہ میری examination in chief کریں گی' پھر وکیلِ صفائی مجھے کراس کریں گے' پھر مسز زمر مجھے دوبارہ سے re-examine کر سکتی ہیں مگر صرف ان باتوں کی وضاحت کے لئے جو کراس کے دوران سامنے آئی ہیں' اس کے بعد ہاشم کاردار مجھے دوبارہ سے ری کراس کر سکتے ہیں لیکن وہ نئے سوال پوچھنے کا

بھی حق رکھتے ہیں۔ میں جانتی ہوں۔'' وہ ایک ہی سانس میں بولے چلی گئی۔

سیم نے فارس کے قریب سرگوشی کی (اب یہ زیادہ اوور ہو رہی ہے۔) مگر فارس اب غور اور اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا جو غیر معمولی طور پہ کمپوز ڈ نظر آ رہی تھی۔ جج صاحب اب پورا گھوم کے اسے دیکھنے لگے تھے۔

''بہر حال' کاردار صاحب آپ سے جرح کے دوران متعلقہ سوالات کے علاوہ کوئی ایسا سوال بھی پوچھ سکتے ہیں جو....'' وہ پھر سے اسے وارن کرنے لگے مگر.....

''جو قانونِ شہادت آرٹیکل 141 کے تحت میری veracity چیک کرنے کے لئے ہو' میرا بیک گراؤنڈ' کام' وغیرہ جاننے کے لئے ہو یا....'' نظروں کا رخ ہاشم کی طرف موڑا۔ ''میرا کردار مسخ کرنے کے لئے ہو۔ اور کورٹ ان سوالوں کی اجازت دے گی' میں جانتی ہوں۔''

جج صاحب نے کھلے لب بند کیے' پھر بولے۔ ''میں صرف یہ تسلی کر رہا تھا کہ آپ کو اپنے رائیٹس معلوم ہیں یا نہیں۔''

''I know my rights more than i know my wrongs , your honour!''

وہ اسی انداز میں بولی تھی۔ دھیما' شائستہ' مسکرا کے بولنے والا انداز۔ ہاشم محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ سیم نے پھر سے منہ بنایا (اوور)۔ فارس غیر آرام دہ تھا اور سعدی فکر مند۔ ''یہ کیا کر رہی ہے زمر؟''

''وہ حنین ہے اور اس کے دماغ میں کیا چلتا رہتا ہے' میں نہیں جانتی۔'' وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے سامنے آ ٹھہری۔

''ریکارڈ کے لئے اپنا نام بتائیے۔''

''حنین ذوالفقار یوسف خان۔'' وہ زمر کو دیکھ کے گردن کڑائے بولی تھی۔

''مدعی سعدی یوسف سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟''

''وہ میرا بھائی اور brother in arms (اچھا ساتھی) ہے۔'' سعدی کو دیکھ کے مسکرا کے بولی۔ وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

اب زمر اس سے چند چھوٹے موٹے سوالات کرنے لگی۔ وہ اعتماد اور سبھاؤ سے جواب دیتی گئی۔

''بیس مئی کی شام' جب آپ میرے کمرے میں موجود تھیں' تو آپ نے باہر کیا دیکھا؟''

''میں نے دیکھا' سعدی یوسف گھر کی پچھلی گلی میں چلتا آ رہا تھا' اور وہ فون پہ کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ مخاطب کو حلیمہ کے نام سے پکار رہا تھا' اور کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے باس سے ملنے کل آنا چاہتا ہے۔ یعنی وہ اپائنمنٹ لے رہا تھا۔''

''اور آپ کے عزیز و اقارب میں حلیمہ کس کی سیکرٹری کا نام ہے؟''

''ہاشم کاردار کی سیکرٹری ہے وہ۔ ہاشم نے مجھے اور آپ کو خود بتایا تھا جب ہمارے سامنے ان کی سیکرٹری کا فون آیا تھا۔''

''آپ کو یقین ہے کہ آپ نے یہی نام سنا تھا؟''

''جی۔ سو فیصد۔''

''ہمیں نوشیرواں کاردار کے اغوا کے بارے میں بتائیے' تاکہ عدالت کو معلوم ہو کہ وہ کس کردار کا حامل ہے؟'' زمر سوال پوچھ رہی تھی اور وہ جواب میں پورا واقعہ بتا رہی تھی کہ کس طرح اس نے نوشیرواں کا ڈرامہ پکڑا۔ شیروزخمی نظروں سے اسے دیکھے گیا مگر اسے جیسے منہ سے اب کوئی گلہ نہیں رہا تھا۔

''آخری دفعہ جب ہاشم کاردار آپ کے گھر آئے تھے' بریانی فرائیڈے پہ' تو کیا کہا تھا انہوں نے؟''

''انہوں نے سب کے سامنے معافی مانگی تھی اور اقرار کیا تھا کہ نوشیرواں اور وہ ذمہ دار ہیں سعدی بھائی کے اغوا اور ارادہ ءقتل کے۔ انہوں نے ہم سے سب بھول کر آگے بڑھنے کی بات کہی تھی۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بتاتی گئی۔

''حنین آپ کو یقین ہے کہ انہوں نے اعترافِ جرم آپ کے سامنے کیا تھا؟'' زمر جج صاحب پہ ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے حنہ سے پوچھ رہی تھی۔اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جہاں تک مجھے یاد ہے'انہوں نے اعترافِ جرم کے ساتھ افسوس کا اظہار بھی کیا تھا۔''

''your witness!'' زمر مڑی اور ہاشم کو اشارہ کیا۔وہ مسکراتا ہوا اٹھا' عادتاً کوٹ کا بٹن بند کیا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سعدی کا سر جھکا ہوا تھا۔وہ چاہ کر بھی چہرہ اٹھا نہیں ہار رہا تھا۔نظریں زمر کے کاغذات پہ رکھے کھلے پین پہ جمی تھیں جس کی نب تیز دھار پھل کی طرح چمک رہی تھی۔اس نے آہستہ سے اس پین کو مٹھی میں دبا لیا۔نظریں ہنوز جھکی تھیں۔

''حنین یوسف!'' ہاشم مسکرا کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بات کا آغاز کرنے لگا۔'' کیا یہ سچ نہیں ہے کہ....''

''اور لینگویج کا کیا؟'' وہ تیزی سے بولی۔ہاشم رکا۔جج صاحب نے بھی گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''قانونِ شہادت کے تحت آپ کو مجھ سے پوچھنا چاہیے کہ میں کس زبان میں زیادہ کمفرٹیبل ہوں اور میرا بیان اسی زبان میں ریکارڈ ہونا چاہیے۔یہ میرا حق ہے اور آپ نے مجھ سے اس بارے میں نہیں پوچھا۔''

''او کے جی۔آپ کس زبان میں آرام دہ ہیں؟''

''اردو یا انگلش۔کسی میں بھی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ہاشم نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''حنین آپ کے بیان کے مطابق آپ نے سعدی کو مبینہ طور پہ کسی کی سیکرٹری کا نام لیتے سنا تھا۔حلیمہ۔کیا یہ درست ہے؟''

''جی!''

''اور کیا آپ نے سرنیم بھی سنا تھا؟ حلیمہ کون؟ اگلا نام؟''

''بھائی نے صرف حلیمہ بولا تھا۔''

''حنین آپ ماشاءاللہ ایک ذہین لڑکی ہیں' اتنا تو جانتی ہوں گی کہ آفیشل capacity میں ایمپلائز کو عموماً ان کے سرنیم کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔مس یوسف' مسز کاردار۔فرسٹ نیم ٹرم نہیں یوز کی جاتیں۔کیا ایسا نہیں ہے؟''

''نہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ باسز عموماً اپنی سیکرٹریز کے ساتھ فرینک ہوتے ہیں اور ان کو فرسٹ نیم ٹرم کے ساتھ ہی بلاتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ میرے سامنے اپنی سیکرٹری کا فون اٹینڈ کرنے کے بعد آپ نے ہمیں اس کا نام حلیمہ ہی بتایا تھا۔نو سرنیم!''

''لیکن کیا آپ نے سعدی کو فون پہ میرا نام لیتے سنا؟ یا نوشیرواں کا؟''

''نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''اور وہ حلیمہ کوئی بھی حلیمہ ہو سکتی تھی۔کسی کی بھی سیکرٹری' رائٹ؟''

'آبجیکشن یور آنر۔'' زمر تیزی سے اٹھی۔اس سے پہلے کہ زمر اعتراض کی وجہ بتاتی یا جج صاحب رولنگ دیتے' حنین نے جج صاحب کی طرف رخ پھیر کے کہا۔

''کیا آپ مسز زمر کو کچھ دیر کے لئے خاموش رہنے کا کہہ سکتے ہیں کیونکہ مجھے ان کے سوالوں پہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔میں ہر سوال کا جواب دوں گی۔''

''وہ آپ کی وکیل ہیں۔اور....''

''وہ میری وکیل نہیں ہیں۔ میں اپنی وکیل خود ہوں۔اب میں جواب دوں؟''اس نے سوالیہ نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔زمر سے نظر بچائی۔وہ برہمی سے واپس بیٹھی۔سعدی ابھی تک پین ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔

''جی' وہ کوئی بھی حلیمہ ہوسکتی تھی' میں نے صرف فرسٹ نیم سنا تھا۔''

''اور آپ پورے وثوق سے کہتی ہیں کہ آپ کے سامنے میں نے اعترافِ جرم کیا تھا؟''

''جی۔''اس نے ہاشم کی آنکھوں میں دیکھ کے کہا۔اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔گویا ننھی لڑکی کو دیا آخری موقع بھی ضائع چلا گیا ہو۔

''اور کیا سعدی کے واپس آنے سے قبل کیا کبھی آپ نے میرے سامنے ذکر بھی کیا کہ آپ میری سوکالڈ اصلیت سے واقف ہیں۔''

''نہیں۔''وہ قدرے آہستہ سے بولی تھی۔

''آپ کے بیان کے مطابق آپ بہت پہلے سے واقف ہوگئی تھیں' لیکن کیا آپ نے کبھی مجھے کھل کے کہا کہ میرے بھائی نے آپ کے بھائی کو اغوا کر رکھا ہے؟''

''نہیں۔''

''کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ لوگ ایک دم سے وہ سب ہمارے خاندان کو مجرم ٹھہرانے لگے کیونکہ آپ مجھ سے بدلہ لینا چاہتی تھیں؟''

وہ اس کے سامنے کھڑا بے رحمی سے جرح کر رہا تھا۔

''کس چیز کا بدلہ؟''سعدی کی گرفت پین پہ سخت ہوگئی۔جھکی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

''آپ کو اگنور کرنے کا بدلہ۔''وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''کس طرح اگنور کرنے کا بدلہ؟''اس نے سپاٹ انداز میں دہرایا۔

''کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ چند ماہ تک مجھ سے واٹس ایپ پہ بات کرتی تھیں؟(سعدی نے آنکھیں زور سے میچیں۔زمر نے اس کی اکڑی ہوئی مٹھی پہ ہاتھ رکھا۔)اور میری توجہ چاہتی تھیں۔''

''میں آپ سے اپنے بھائی کے بارے میں پوچھتی تھی جیسے علینا اپنے کلاس فیلوز سے بات کرتی ہے۔''

''کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ اپنی فیملی سے چھپ کے مجھ سے بات کرتی تھیں۔''

''میں آپ سے فیس بک پہ بھی سب کے سامنے بات کرتی تھی جیسے علینا اپنے کولیگز سے کرتی ہے۔''

''مگر کیا یہ درست نہیں ہے کہ یہ آپ کی فیملی میں غلط سمجھا جاتا ہے؟''

''میری فیملی میں یہ ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسا علینا کی فیملی میں سمجھا جاتا ہے مگر جیسے علینا ضرورت کے تحت فیس بک پہ اپنے کولیگز وغیرہ سے بات کر لیتی ہے' میں بھی کر لیتی ہوں۔''

''ایکسکیوزمی یہ علینا کون ہے؟''ہاشم نے اکتا کے بات کاٹی۔

''جج صاحب کے ریڈر کی بیٹی۔''اس نے معصومیت سے کہہ کر چند کاغذ جج صاحب کی طرف بڑھائے۔جہاں ریڈر صاحب چونکے' وہیں ہاشم ٹھہرا' اور زمر نے بے اختیار پیشانی چھوئی۔(اُف۔اُف)

''یہ یور آنرز' ریڈر صاحب کی بیٹی کے فیس بک کے کچھ اسکرین شاٹس ہیں' اور یہ میری ہاشم بھائی سے کی بات کے اسکرین شاٹس۔ علینا اپنی یونیورسٹی میں ایک نہایت باعزت اور برائیٹ اسٹوڈنٹ ہیں اور جیسے وہ بولتی ہیں' میں بھی ویسے ہی بولتی تھی۔اب ہمارے بڑے اس

بارے میں کیا سوچتے ہیں مجھے نہیں پتہ۔آپ یورآنر کے ریڈر سے پوچھ لیں' کیا وہ اس طرح بات کرنے کو برا سمجھتے ہیں؟''

ہاشم نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔جج صاحب نے کاغذات پہ ایک نظر ڈالی اور عینک کے پیچھے سے گھور کے حنین کو دیکھا۔

''آپ ریڈر کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کرسکتیں۔''انہوں نے تنبیہہ کی۔

''یورآنر قانون میں کہیں بھی کوئی بھی شق مجھے منع نہیں کرتی اس چیز سے' سو میں یہ لے آئی۔''معصومیت سے شانے اچکائے۔

''میری بیٹی کا یہاں کیا ذکر؟''

''میں بھی تو کسی کی بیٹی ہوں۔میرے ذکر کی اجازت بھی تو آپ لوگ دے رہے ہیں نا۔''پھر ہاشم کو دیکھا۔''آپ کیا پوچھ رہے تھے؟اس چیز کو کیسا سمجھا جاتا ہے ہم جیسی عام فیملیز میں؟''ریڈر صاحب کی طرف اشارہ کیا جن کے چہرے پہ برہمی تھی۔

''میں آپ کی انٹرنیٹ ایڈکشن کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔''ہاشم نے تیزی سے پینترا بدلا۔وہ ایک جج کے ریڈر کی طرف جانے والی گفتگو کا رخ موڑنے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتا تھا' پھر ابھی بہت سے تیر ترکش میں باقی تھے۔

''کیا یہ درست ہے حنین یوسف کہ آپ کمپیوٹرز وغیرہ میں بہت اچھی ہیں۔''

''بالکل!''مسکرا کے سر کو خم دیا۔جج صاحب اب کاغذ رکھ کے واپس ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''اور کیا یہ درست ہے کہ آپ ایک بہت اچھی ہیکر بھی ہیں؟''وہ دوبارہ سے روانی پکڑ چکا تھا۔

''جی۔''

''حنین کیا آپ کے اردگرد کے لوگ آپ کے پاس hacking سے متعلق فیورز لینے آتے ہیں؟''

''لوگ میرے پاس فیورز لینے کیوں آئیں گے؟''

''کیونکہ آپ بہترین ہیں' اور وہ آپ پہ زیادہ بھروسہ کرسکتے ہیں۔''

''جی۔لوگ مجھ سے فیورز لیتے رہتے ہیں۔''اس نے اعتراف کیا۔وہ پرسکون تھی۔زمر بار بار اعتراض کرنے اٹھنے لگتی' پھر رک جاتی۔کمرہ عدالت میں تناؤ ہر پل بڑھتا جا رہا تھا۔

''کیا 2013 میں ایسا ہوا کہ کسی دوست کے والد نے آپ سے کوئی فیور مانگا؟''

''جی ہاں۔''وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔ہاشم کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

''اور کیا اس فیور کا تعلق ان کے خاندان کی کسی عورت کے کسی اسکینڈل سے تھا؟''

''جی ہاں۔''

''اور ان کی مدد کرنے کے لئے آپ کو غیر قانونی ہیکنگ کرنی پڑی؟''

''میرے جواب کے بعد آپ مجھے sue تو نہیں کریں گے نا؟''اس نے معصومیت سے پوچھا۔جیسے کوئی بچہ پوچھتا ہے۔ہاشم نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی۔''میں آپ کو sue نہیں کروں گا' حکومت کا کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن میری طرف سے بے فکر ہو کر جواب دیجئے۔''

''جی۔مجھے ان دوست کے والد کے لیے غیر قانونی hacking کرنی پڑی تھی۔''

''اور کیا یہ درست ہے کہ بدلے میں آپ نے ان صاحب سے کوئی فیور مانگا تھا؟''

فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔زمر فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔سعدی کا سر جھکا تھا مگر وہ گردن اکڑائے جواب دے رہی تھی۔

''جی' میں نے ان سے فیور لیا تھا۔''

''اور یقیناً وہ فیور خاص قسم کا ہوگا کیونکہ میری اطلاع کے مطابق وہ صاحب ایک انتہائی با اثر عہدے پہ فائز تھے۔''

''ایسا ہی ہے۔'' حنہ نے اعتراف کیا۔

''کیا آپ کورٹ کو بتانا پسند کریں گی کہ وہ کون تھے اور ان کے کس کام کے بدلے میں آپ نے ان سے ایک خاص فیور لیا تھا؟''

''وہ فوت ہو چکے ہیں اور اس بات کا تعلق ان کے خاندان کی ایک عورت کی عزت سے ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگے گا بتانا۔''

''یور آنر میں عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ گواہ کو جواب دینے کا حکم دے کیونکہ ان سوالوں سے گواہ کا کردار عدالت کے سامنے واضح کرنا بہت ضروری ہے' کیونکہ یہ وہ گواہ ہے جو کہہ رہا ہے کہ اعترافِ جرم اس کے سامنے ہوا ہے۔''

''گواہ کو جواب دینا ہوگا۔'' جج صاحب نے اسے ہدایت کی۔

''اور اگر میرے جواب سے ایک عورت کی عزت خراب ہوتی ہے تو ہو جائے؟ وہ فوت ہو چکے ہیں تو کیا ہم ان کا پردہ نہ رکھیں؟'' وہ جذباتی سے انداز میں بولی۔

''یہ سب آپ کا کردار جاننے کے لئے ہو رہا ہے حنین یوسف' اس لئے اپنی فکر کیجئے اور جواب دیجئے۔'' وہ مسکرا کے بولا تھا۔ چہرے پہ فاتحانہ چمک تھی۔

''کیا آپ واقعی اس عورت کے افیئر کو یوں ایکسپوز کرنا چاہتے ہیں؟ اس مرے ہوئے آدمی کی ساکھ کو داغدار کرنا چاہتے ہیں ہاشم بھائی؟'' وہ دکھ سے بولی تھی۔

''I don't give a damn!'' اس نے چیچ کی آواز نکال کے شانے جھٹکے تھے۔ ''لیکن آپ اگر چاہیں تو ان کے ناموں کی جگہ ان کا عہدہ بتا دیں تو بتائیے عدالت کو کہ وہ صاحب جن کا ایک کام کیا تھا آپ نے' وہ کون تھے عہدے کے اعتبار سے۔''

حنین نے اس کی آنکھوں پہ آنکھیں جمائے تین حرف بولے۔

''آئی پی پی۔''

سعدی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ادھر ہاشم نے بھنویں اکٹھی کر کے اسے دیکھا۔

''میرا خیال ہے آپ کہنا چاہ رہی ہیں اوسی پی۔''

''جی نہیں کاردار صاحب۔ میں کہنا چاہ رہی ہوں' وہ ایک آئی پی پی تھے۔ اورنگزیب کاردار نام تھا ان کا' اور 2013 کے دسمبر میں وہ ایک ذاتی کام لے کر میرے پاس آئے تھے۔ جب نوشیرواں کے اغوا کا پول کھولنے کے بدلے میں انہوں نے مجھے وہ لیپ ٹاپ اور دوسرے gadgets گفٹ کیے تھے' تب انہوں نے مجھے ایک اور کام بھی کہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں مسز جواہرات کاردار کا موبائل ہیک کر کے ان کے اپنے کزن سے چلتے افیئر کا پتہ چلاؤں اور.....''

کمرہ عدالت کا منظر ایک دم بدلا تھا۔ سارے رنگ بدلے۔ موسم کا امتزاج بدلا۔ جہاں جواہرات کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں' وہاں ہاشم نے تیزی سے اس پٹ پٹ بولتی لڑکی کو چپ کروایا۔ ''او کے تھینک یو' ڈیٹس آل حنین۔''

''نہیں' مجھے بتانے تو دیں' میرے کردار کو واضح کرنا چاہ رہے تھے نا آپ۔ تو پھر مجھے کرنے دیں نا اپنا کردار واضح۔''

''ٹھیک ہے بہت ہو گیا۔ آپ جا سکتی ہیں۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر درشتی سے اسے خاموش کروا کے اپنی کرسی کی طرف پلٹ گیا۔ اس کے ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ کنپٹی کی رگ پھڑک رہی تھی۔ ایک دم سے لوگ پر جوش انداز میں چہ مگوئیاں کرنے لگے تھے۔ پیچھے بیٹھے رپورٹرز دھڑا دھڑ لکھے جا رہے تھے۔ حنین کٹہرے سے ہلی تک نہیں۔ اسی ہٹ دھرمی سے پکار کے بولی۔

''نہیں کاردار صاحب' میں آپ کی گواہ نہیں ہوں' آپ مجھے نہیں بھیج سکتے۔ مجھے re-examine کرنے کا حق اس وکیل کو ہے

جس نے مجھے بلایا تھا....''

''میں گواہ کو re-examine کرنا چاہوں گی۔ یور آنر۔'' زمر تیزی سے کھڑی ہوئی۔ حنین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شانے اچکائے۔ جیسے اجازت دی ہو۔

جواہرات کا ہاتھ اپنی گردن پہ تھا اور وہ بالکل نیچے دیکھ رہی تھی۔ رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ ہاشم کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور وہ برہمی سے احتجاج کر رہا تھا مگر جج صاحب نے اسے خاموش کرا دیا۔ صورتحال ایک دم دلچسپ ہو گئی تھی۔

''حنین یوسف' کیا آپ وضاحت کریں گی کہ اورنگزیب کاردار نے آپ کو کیا کام کہا؟''

''یہ ہمارے دوست ہاشم کاردار کے والد اورنگزیب کاردار اور میری ای میلز کا ریکارڈ ہے' اور یہ ٹیکسٹ میسیجز کا۔'' وہ کاغذات جج صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے بولی تھی۔ ''وہ چاہتے تھے کہ میں ان کی بیوی کا فون rat کر کے ان کو دے دوں' یعنی وہ اپنے فون پہ کیا کر رہی ہیں' اورنگزیب کاردار یہ دیکھ سکیں۔ ان کو شک تھا کہ ان کی وائف کا اپنے ایک کزن کے ساتھ جو افیئر رہا ہے ماضی میں' وہ شاید دوبارہ شروع ہو چکا ہے۔ سو مسز کاردار کے فون تک میں نے ان کو ایکسس دی' پھر اورنگزیب انکل کے اصرار پہ ان طیب مطیع نامی صاحب کے فون تک بھی ان کو ایکسس دی۔ یہ طیب مطیع اور مسز کاردار کی ای میلز کا ریکارڈ ہے اور چونکہ ہاشم کاردار کو تو ایک ''damn'' جتنی پرواہ بھی نہیں ہے' اس لئے میں یہ بھی آپ کے سامنے رکھ رہی ہوں۔ میں نے غلط کام ضرور کیا تھا مگر ان کی مدد کر رہی تھی میں۔'' آخری چند کاغذات ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ جواہرات خاموشی سے اٹھی تھی' ہینڈ بیگ اٹھایا اور کمرہ عدالت سے باہر نکل گئی۔ چند رپورٹرز اس کے پیچھے بھاگے تھے۔ نوشیرواں سرخ چہرہ جھکا کے بیٹھا تھا اور ہاشم برہم بے بس سا اسے بولتے دیکھ رہا تھا۔

''یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے یور آنر۔'' وہ آخر میں چلایا۔ غیض و غضب سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ''میں ان محترمہ پہ ہتک عزت کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔ بلکہ آج ہی میں آپ کو نوٹس بھیجوں گا۔'' انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی تو زمر فوراً بولی۔

''یور آنر' ایس....'' مگر حنین کی آواز نے اس کا فقرہ اچک لیا۔

''Estoppel کے قانون کے تحت آپ چونکہ مجھے یقین دلا چکے ہیں کہ آپ میرے خلاف کوئی دعویٰ نہیں کریں گے تو اب اگر آپ کوئی دعویٰ کریں' تب بھی عدالت آپ کو estop کر سکتی ہے۔'' حنین اپنی وٹنیس پریپ کر کے آئی تھی۔ زمر گہری سانس لے کر خاموش واپس جا بیٹھی۔ اب حنین جج صاحب کو مزید اس واقعے کی تفصیل بتا رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے زمر کو پیچھے سے ٹہوکا دیا۔ تو وہ مڑی۔ پیچھے بیٹھے وکیل نے چٹ سی اس کی طرف بڑھائی۔ وہ سیدھی ہوئی اور کاغذ کھولا۔

''میرا خیال ہے آپ کو وکالت چھوڑ کے کوئی اور کام شروع کر دینا چاہیے زمر بی بی۔ سلائی کڑھائی' یا کوکنگ کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اس نے مڑ کے دیکھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے بظاہر سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زمر نے چند الفاظ کاغذ پہ گھسیٹے اور اسے مروڑ کے واپس بھیجا۔ جب فارس نے اسے کھولا تو اس پہ لکھا تھا۔

''میرا خیال ہے آپ کو یہ دنیا ہی چھوڑ دینی چاہیے۔''

وہ چہرہ جھکا کے دل کھول کے ہنسا تھا۔ دو چار افراد نے مڑ کے اسے دیکھا بھی تھا۔

حنین اب اپنی بات ختم کر چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ نیچے اترتی' جج صاحب نے اسے روک کے پوچھا۔ ''آپ وکیل ہیں؟'' اس نے سادگی سے ان کا چہرہ دیکھا۔ ''نہیں یور آنر!''

''لاء اسٹوڈنٹ ہیں؟''

''نہیں یور آنر!''

''پھر کیا ہیں؟''

''میں حسین ہوں۔ اور میں ایک عام لڑکی ہوں۔'' وہ اداسی سے مسکرا کے نیچے اتری ایسے کہ اس کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور سعدی اسے مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔ اکڑی ہوئی مٹھی میں پکڑا قلم وہ کب کا چھوڑ چکا تھا۔

باہر نکلتے ہوئے حنہ ہاشم کے قریب ٹھہری جس کا چہرہ اہانت سے ابھی تک تمتمایا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

''میں ناڈرامے بہت دیکھتی ہوں۔ ہاں اب میں اتنے ڈامے دیکھنے کو اچھا نہیں سمجھتی مگر جو دیکھ رکھے ہیں ان میں ایک دفعہ ایک قصہ سنا تھا۔ کہ ایک آدمی کے پاس ایک بدروح آئی اور اسے ڈرانے لگی۔ جب وہ نہیں ڈرا رو وہ بولی۔ جانتے نہیں ہو' میں تمہاری جان لے سکتی ہوں۔ وہ آدمی بولا' سارا غم اسی جان کا ہی تو ہے' جس دن یہ نہ رہی' اس دن میں تم سے بڑی بدروح بن جاؤں گا۔ آپ جیسے بلیک میلرز کو یہ جان لینا چاہیے' ہاشم کاردار' کہ سارا غم اسی عزت کا ہی تو ہے' کیونکہ جس دن ہم لڑکیوں کی عزت چلی گئی نا' اس دن آپ سے بڑی بلا بن جائیں گی ہم!'' اور آگے بڑھ گئی۔ وہ کچھ بول نہیں سکا۔ بس اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ سب اس کو دیکھ رہے تھے۔ وہ نظریں ....وہ چہ مگوئیاں.... قیامت سی قیامت تھی۔

حنہ اپنے گروہ کی طرف آ گئی۔ زمرا سے ریڈ روالی بات پہ ڈانٹ رہی تھی۔ سیم اسے اوور کہہ رہا تھا اور سعدی اسے گلے سے لگا کے اسے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے کبھی بھی اس سب میں نہیں گھسیٹنا چاہتا تھا۔ مگر اب حنہ کے ہر طرف سناٹا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور وہ بہت ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی۔

عام لڑکیوں کی طرح۔

.....❖❖❖.....

عجب چیز ہے ....یہ گردشِ زمانہ بھی ..... کبھی زمیں پہ، کبھی مثلِ آسماں گزری

قصرِ کاردار میں ایسا ہولناک سناٹا چھایا تھا گویا کوئی مر گیا ہو۔ جواہرات سپاٹ چہرے اور جھکی نظروں سے آگے چلتی جا رہی تھی اور وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا۔ غیض و غضب سے سرخ پڑتا چہرہ لئے' وہ بے بسی اور نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اندازہ ہے آپ کو میں نے کورٹ روم سے پارکنگ ایریا تک کا سفر کیسے کیا ہے ممی!'' ہاشم کی چنگھاڑتی غراتی آواز پہ بھی وہ نہیں رکی' دھیرے دھیرے آگے بڑھتی گئی۔

''مجھے رسوا کر دیا آپ نے پورے زمانے میں۔ وہ ہمارے قرابت دار نہیں تھے' ہمارے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ نہیں تھے جو ایسی باتوں کو مسکرا کے ہضم کر جاتے۔ ممی وہ ''عام'' لوگ تھے۔ وہ وکیل تھے' جج تھے۔ ان کی نظریں...ان کی باتیں۔'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں لئے پاگل ہو رہا تھا۔ جواہرات چپ چاپ آگے بڑھتی گئی۔ رخ اپنے کمرہ کی جانب تھا۔

''میرا ان دو ٹکے کے نیچ لوگوں کے ساتھ روز کا ملنا تھا ممی۔ مجھے ان کا ہر دن سامنا کرنا ہوتا ہے۔ وہ میری ورک پلیس تھی۔ میں بار الیکشنز کے بارے میں سوچ رہا تھا اور آپ نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں ان کو منہ دکھا سکوں۔ آپ نے مجھے رسوا کر دیا۔''

جواہرات نے آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر چلی گئی۔ وہ پیچھے بولتا جا رہا تھا۔

''اور میں جانتا ہوں طیب مطیع کے بارے میں۔ اسی لئے ڈیڈ نے مجھ سے کہہ کر اسے جیل کروائی تھی کیونکہ.....'' شدتِ جذبات سے وہ بول بھی نہیں پا رہا تھا۔ جواہرات نے دروازہ بند کر دیا' اور وہیں نیچے فرش پہ بیٹھتی گئی۔ وہ گم صم سی لگتی تھی۔

''میرے مرے ہوئے باپ کو آپ روز رسوا کرتی ہیں۔ کبھی ہارون عبید کے ساتھ' کبھی کسی تھرڈ کلاس کزن کے ساتھ۔ کیا ہیں آپ

ممی! کیا ہیں آپ؟'' وہ باہر کھڑا اسی طرح چلا رہا تھا۔

سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑی سونیا اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اس کا وجیہہ' بہادر سا باپ ایسے کیوں اپنے حواس کھو رہا تھا۔ وہ چپ چاپ دیکھے گئی۔

اندر بیٹھی جواہرات کا فون مسلسل تھرتھرا رہا تھا۔ اس نے اسی بے جان سے انداز میں نکال کے دیکھا تو ہارون کا نمبر اسکرین پہ جگمگا رہا تھا۔ اس نے فون کان سے لگایا۔

''بولو!'' گھٹی گھٹی شکست خوردہ سی آواز نکلی۔

''میں افسوس کرنا چاہتا تھا۔ سنا ہے آج چھوٹے چھوٹے بچے تمہیں رسوا کر گئے جواہرات۔ مجھے واقعتاً افسوس ہے۔ کیا میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا ہوں؟'' ان کی آواز میں آنچ سی تھی۔ مسکراہٹ فاتحانہ سا ناز۔

ہاں۔ تم بولتے جاؤ۔ میں سنتی جاؤں گی۔ جو غلاظت' جو باتیں کہنی ہیں' کہہ دو۔'' اس نے فون کان سے زور سے دبایا' تاکہ صرف ہارون کی آواز سماعت سے ٹکرائے اور باہر چیختے بیٹے کی باتیں اس شور میں دب جائیں۔ تاکہ تکلیف کم ہو۔

''میری بیوی کے ساتھ بھی یہی کیا تھا نا تم نے۔ اس کو کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔''

وہ آنکھیں بند کیے سنتی گئی۔ گرم گرم آنسو آنکھ سے نکل کے چہرے پہ گرتے رہے۔

''اب بھی وقت ہے جواہرات۔ مجھے میری بیوی کے اکاؤنٹ تک ایکسس دے دو۔ اس کی رقم' اس کے زیورات مجھے دے دو۔ میں تمہیں اس سارے اسکینڈل سے نکال لوں گا۔''

''تمہیں لگتا ہے میں ڈھے گئی ہوں؟ ہار گئی ہوں؟ اونہوں۔ ابھی جواہرات کا ردار ''باقی'' ہے۔ اس سے بڑے طوفان سے گزری ہوں۔ ابھی نہیں ہاروں گی مگر تم بولتے رہو۔ میں سن رہی ہوں۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بولی تھی۔ دوسری طرف سے انہوں نے کال کاٹ دی تھی۔ باہر سے بولتے' چلاتے ہاشم کی آواز پھر سے آنے لگی تھی۔ جواہرات نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

پچھلے سارے طوفان میں اس کا یہ بیٹا اس کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ اور آج.....؟؟؟

.....❖❖❖.....

کچھ تو ہو رات کی سرحد میں اترنے کی سزا ..... گرم سورج کو سمندر میں ڈبویا جائے!

مارکیٹ میں معمول کا رش تھا۔ مصروف سے لوگ آگے پیچھے گزر رہے تھے۔ فاسٹ فوڈ کی دکانوں سے اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ ایسے میں پارکنگ میں ایک کار کھڑی تھی اور وہ دونوں اگلی نشستوں پہ بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

''امیر کیانی ہر ہفتے کی شام اس میڈیکل اسٹور سے دوا خریدنے آتا ہے۔ اس کی ماں کو کوئی chronic بیماری ہے۔ آج ہفتہ ہے' اور آج وہ آئے گا' مگر مسئلہ یہ ہے سعدی کہ وہ کل صبح کی فلائٹ سے عمرے کے لئے جا رہا ہے اور حج سے پہلے نہیں آئے گا۔ ان لوگوں کے پاس عمرہ ویزہ کو حج تک بڑھانے کے بہت طریقے ہوتے ہیں۔'' احمر سامنے دکانوں پہ نظر جمائے کہہ رہا تھا۔ سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یعنی ہمارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں اس سے بات کرنے کے لئے۔''

''ہمارے نہیں' تمہارے پاس۔ کیونکہ مجھ سے سخت نفرت ہے ان PMDC والوں کو۔'' احمر نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

''کیوں؟ تمہارے پاس کوئی ایم بی بی ایس کی جعلی ڈگری بھی ہے؟'' احمر نے جواباً صرف گھورا۔ تردید نہیں کی۔

''او کے۔ تو پھر اس سے بات مجھے ہی کرنی ہوگی۔'' سعدی نے گہری سانس لی۔

''نہ صرف بات کرنی ہے بلکہ اسے راضی کرنا ہے' پیسے بہت لے گا مگر یہ پی ایم ڈی سی کا واحد کلرک ہے جو خفیہ طریقے سے'' میں

پاکستان کے تمام ڈاکٹرز کا ڈیٹا فراہم کرسکتا ہے اور ہم Facial recognition سافٹ ویئر کے ذریعے ڈاکٹر مایا کو ان لاکھوں ڈاکٹرز میں ڈھونڈ لیں گے۔ لیکن اس شخص کے علاوہ کوئی کلرک ایسا نہیں جو کارداروں کو نہ بتائے۔ ان کے بہت جاننے والے ہیں پی ایم ڈی سی میں۔ وہ محتاط ہوگئے تو سارا کام خراب ہوجائے گا۔''

''اگر آپ کی نصیحتیں بند ہوگئی ہوں تو میں جاؤں اور عمرے پہ جانے والے شخص کو رشوت کی پیشکش کروں تاکہ وہ میرا سچ ثابت کرنے میں میری مدد کرسکے۔''

''ایک تو تم لوگوں کی اخلاقیات سے میں بہت تنگ ہوں۔'' احمر نے برا سا منہ بنایا۔ ''اس ملک میں کوئی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا بھائی۔''

''میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس لئے پہلے میں اسے باتوں سے منانے کی کوشش کروں گا' خدا کرے مجھے رشوت نہ دینی پڑے۔'' اس نے کان میں آلہ لگاتے ہوئے دروازہ کھولا اور پھر سر پہ پی کیپ جماتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اندر بیٹھے احمر نے اپنے کان میں آلے کو جمایا اور بولا۔

''شاپ کے قریب کھڑے ہوجاؤ۔ وہ جیسے ہی آئے گا' میں تمہیں خبردار کردوں گا۔''

''آہستہ بولو۔ میرے کان درد کرنے لگے ہیں۔'' وہ کراہا تھا۔ احمر ہتھیلی پہ لگا مائیک منہ کے بالکل قریب لے کر گیا اور مزید زور سے بولا۔ ''تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' وہ جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے سڑک کنارے چلتا جارہا تھا' انگلی سے کان میں لگے آلے کو ذرا ڈھیلا کیا اور ناسمجھی سے پوچھا۔ ''کیا بات؟''

''تمہاری امی نے غازی سے کہا ہے کہ تمہیں سمجھائے اب شادی کرلو مگر اس کا خیال ہے' بندے کو ایک نہیں تین شادیاں کرنی چاہیے' اس لئے تمہیں سمجھانے کی ذمہ داری اس نے مجھے دی ہے۔''

سعدی ہلکے سے ہنس دیا۔ سر جھکائے وہ قدم آگے کو بڑھا رہا تھا۔

''مثلاً؟ کیا چاہتی ہیں امی؟''

''یہی کہ سارے پرانے تجربات بھلا کر شادی کرلو' اور ان کو خوش کردو۔''

''جب تک میں نوشیرواں کو سزا نہیں دلوا دیتا' تب تک نہیں کرنی مجھے شادی۔'' اب کہ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ اس دکان کے قریب ایک اسٹال پہ رکھے میگزین دیکھنے وہ اب رکا کھڑا تھا۔

''یار کیا مل جائے گا تمہیں اس بے چارے کو سزا دلوا کے؟ اس کی شکل نہیں دیکھی تم نے؟ مجھے تو لگتا ہے وہ بہت افسردہ اور نادم ہے۔''

''ندامت کافی نہیں ہوتی۔ اگر اتنا ہی نادم ہے تو اعترافِ جرم کیوں نہیں کرلیتا؟''

''انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا سعدی یوسف خان۔''

''اسی لئے میں انصاف لینے گیا ہوں' انتقام نہیں۔'' وہ تلخی سے میگزین کے صفحے پلٹاتے' سر جھکائے بولا تھا۔

''خیر تمہاری والدہ جاننا چاہتی ہیں کہ اگر وہ تمہارے لئے کوئی لڑکی پسند کریں تو تم قبول کرلو گے؟ نہیں اگر قید میں کوئی ایک آدھ پسند آگئی ہے تو بتادو' ہم نے یہ آپشن اوپن رکھا ہوا ہے۔''

''آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر ساری ڈیلنگ اس آدمی سے میں نے ہی کرنی تھی تو پیسے کس چیز کے لئے تھے آپ نے؟'' وہ میگزین میں چہرہ دیے بول رہا تھا۔

''بات مت بدلو۔ خیر.... اس تک لے کر تو میں ہی آیا ہوں نا۔ اچھا وہ ابھی آنے والا ہے۔ اس کا فون اسی ایریا میں پہنچ گیا۔''
احمر کار میں بیٹھا ٹیبلٹ پہ جی پی ایس چیک کر رہا تھا۔ سعدی اب نگاہیں ادھر ادھر دوڑاتا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ میگزین ہاتھ میں تھا اور کیپ نے چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔

اور یہ تبھی تھا کہ اس نے وہ آواز سنی۔ سیٹیوں کی۔ قہقہوں کی۔ اس نے چونک کے گردن پھیری۔ پلازے کے کونے والی دکان کے عین سامنے ایک لڑکا بیساکھی کا سہارا لئے کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹ ٹیڑھے سے تھے اور وہ نفی میں سر ہلاتا' کچھ کہہ رہا تھا' مگر اس کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تین لڑکے اس کو بولنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ وہ تمسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے' البتہ ایک لڑکا اب اونچا بولنے لگا تھا۔ معذور لڑکے نے جواباً کچھ کہا تو اس نے کھینچ کے اس کے منہ پہ تھپڑ دے مارا۔

''ادھر مت دیکھو۔ اپنے کام پہ فوکس کرو۔'' کان میں احمر کی محتاط آواز آئی تو وہ سر جھٹک کے آف کورس کہتا دوسری جانب دیکھنے لگا۔ البتہ چہرے پہ اضطراب سا پھیل گیا تھا۔ کنکھیوں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ معذور لڑکا اب پیچھے ہٹنا چاہ رہا تھا مگر وہ اس کی طرف تینوں اطراف سے بڑھ رہے تھے۔ معذور لڑکے نے سامنے والے کے سینے پہ ہاتھ رکھ کے اسے پرے ہٹانا چاہا مگر جواباً دوسرے نے اس کی بیساکھی کو پاؤں سے دھکیلا۔ وہ رپٹ کے گرا۔

''سعدی.... وہ آنے والا ہے۔ فوکس کرو۔ یہ آدمی آج ہمارے ہاتھ سے جانا نہیں چاہیے۔''

''مجھے پتہ ہے۔''

''بار بار ان کی طرف مت دیکھو۔ وہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہارا کیس اور اس کی گواہیاں زیادہ اہم ہیں۔'' احمر اسے یاد دلا رہا تھا۔ وہ سر ہلا کے خاموشی سے کھڑا رہا۔ کبھی کوئی کتاب اٹھا لیتا' کبھی کوئی رسالہ۔ کنکھیوں سے جھلکتا منظر شدت پکڑ رہا تھا۔ لوگ نظر انداز کر رہے تھے' اور وہ تینوں اب اسے زمین پہ گرا کے مار رہے تھے۔

''وہ آ گیا ہے۔ وہ دیکھو۔ براؤن شرٹ میں' عینک والا۔''

''ہوں!'' سعدی سامنے دیکھنے لگا مگر اس کا دماغ فوکس نہیں کر پا رہا تھا۔ لڑکے اسی طرح معذور لڑکے کو مار رہے تھے' اور گالیاں دے رہے تھے۔ ایسے میں اسے آنکھ کے کنارے پہ نظر آیا' ایک لڑکے نے اپنے بوٹ سے اس کے ٹیڑھے منہ پہ ٹھوکر ماری تھی۔

بس بہت ہو گیا۔ وہ تیورا کے گھوما اور جارحانہ انداز میں ان کی طرف بڑھا۔

''سعدی.... نو.... واپس مڑو.... سعدی یوسف!'' احمر اس کے کان میں گرجا تھا۔

''یو نو واٹ....'' اس نے کان میں لگا آلہ دو انگلیوں سے پکڑ کر باہر نکالا' اور ہاتھ منہ کے قریب لے جا کر بولا۔ ''تم میری ماں کو... ہو۔'' اور اسے جیب میں ڈالتا تیزی سے ان کی طرف لپکا۔ (احمر نے بے اختیار اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔)

''کمزور سے کیوں لڑ رہے ہو؟ ادھر آؤ' مجھ سے مقابلہ کرو۔'' پی کیپ کا رخ پیچھے کو موڑا تا کہ چہرہ سامنے واضح نظر آئے اور اس کے اوپر چڑھا تا وہ ان کی طرف آیا۔ وہ چونکے تھے۔ ایک نے منہ بھر کے اسے گالیاں دیں۔ دوسرا اس کی طرف بڑھا' مگر اب اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اور خاور قید خانے کے کمرے میں تھے' وہ کمرہ جس کی دیوار پہ اَن گنت لکیریں لگی تھیں۔ اور خاور اس کو بتا رہا تھا کہ اسے کیسے مارنا ہے۔ صرف بے ہوش کیسے کرنا ہے۔ اپاہج کیسے کرنا ہے۔ قتل کیسے کرنا ہے۔ اس کے سامنے صرف خاور تھا۔ اور وہ اپنا ہاتھ اور پاؤں تھما تھما کر اس کو مار رہا تھا۔ ارد گرد خاموشی تھی۔ صرف وہ دونوں تھے اور ان کے ہاتھوں کی مہارت تھی۔ سر جھکا کے ایک طرف سے نکل جانا اور پلٹ کے دے مارنے کا انداز تھا۔ ارد گرد اور کچھ نہیں تھا۔

سرخ دھند چھٹی تو سامنے وہ تینوں اب قدرے زخمی حالت میں پیچھے کو ہٹ رہے تھے۔ بس چند لمحے لگے تھے ان کو بھگانے میں۔ چندراگیر جو تماشہ دیکھنے رکے تھے اب وہ بھی مڑ گئے تھے۔ اپاہج لڑکا زمین پہ گرا ہوا تھا اور اس کے جسم سے جا بجا خون نکل رہا تھا۔ منہ کی چوٹیں سب سے زیادہ تکلیف دہ تھیں۔ وہ جھکا اور اسے ایک ہاتھ کے سہارے سے اٹھانے لگا۔

لڑکا نیم بے ہوش' مندی آنکھوں سے اسے یک ٹک دیکھتا سہارا لے کر اٹھنے لگا۔

''مجھے اس کو ہاسپٹل لے کر جانا ہے۔'' وہ دوسرے ہاتھ سے کان میں آلہ دوبارہ لگا چکا تھا۔

''ٹیکسی کر کے جاؤ کیونکہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔'' وہ جلا بھنا سا بولا تھا۔ سعدی نے چونک کے دور رکھے میگزین اسٹینڈ کو دیکھا۔

''وہ چلا گیا؟''

''نہیں۔ اس نے یہاں اعتکاف میں بیٹھنا تھا' اس لئے دیکھو' شاید ابھی تک ہو۔'' وہ سخت تپا تھا۔ ''یا تو مجھے کام نہ کہا کرو اور اگر کہا کرو تو میرے طریقے سے عمل بھی کیا کرو۔''

''احمر!'' وہ لڑکے کو سہارا دے کر چلا رہا تھا۔ ''میں نے یہ جنگ یہ صرف ایک کیس جیتنے کے لئے یا ایک امیر لڑکے کو سلاخوں کے پیچھے دیکھنے کی خواہش کے لئے نہیں شروع کی تھی۔ میں نے یہ لڑائی اس لئے مول لی تھی تاکہ کوئی مغرور اور بد دماغ لڑکا کسی عام کمزور لڑکے کو یوں نہ مار سکے۔ کوئی اپنے گھمنڈ میں کسی کو bully نہ کر سکے۔ اور جب بھی کوئی یہ کرے تو اس کا ہاتھ روکا جائے' اور اگر رکنے سے نہ رکے' تو اس کا ہاتھ توڑا جائے۔ تاکہ خاص لوگ عام لوگوں کو اپنے پیروں تلے نہ روند دیں۔ اگر میں یہ ہونے دوں تو میں کیسا انسان ہوا؟'' وہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بیڑہ غرق تمہاری اخلاقیات کا۔ میں بتا رہا ہوں' آج سے میں نوشیرواں کے ساتھ ہوں۔ کم از کم وہ میری بات تو مان لیتا۔'' وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا تھا۔ کم از کم اس وقت وہ اسے اس زخمی کے ساتھ ہسپتال نہیں لے جا رہا تھا۔ خود جائے اب ٹیکسی میں۔ ماں نہیں ہوں میں اس کی۔ ہونہہ۔

اس شام ہاشم کاردار ابھی تک اپنے آفس میں موجود تھا۔ کھڑکیوں کے آگے اندھیرا پھیل چکا تھا اور آفس کی عمارت ملازموں سے تقریباً خالی ہو چکی تھی مگر وہ قطعاً تکان زدہ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ سیٹ پہ ٹیک لگائے وہ پورے یقین اور عزم سے سامنے بیٹھے رئیس سے کہہ رہا تھا۔ ''چھے دن ہیں ہمارے پاس۔ چھے دن میں تمہیں فول پروف اور ٹھوس منصوبہ بنانا ہے۔''

''میں کر لوں گا' سر.... آپ بے فکر رہیں۔'' وہ جو ساتھ ساتھ لیپ ٹاپ پہ کھٹ کھٹ ٹائپ بھی کیے جا رہا تھا' تسلی آمیز انداز میں بولا۔

''مجھے خاور کی کمی محسوس نہ ہونے دینا۔'' ہاشم نے تنبیہہ کی تھی' اس نے صرف سر کو خم دیا۔ تب ہی دروازہ افراتفری کے عالم میں کھلا اور ہڑبڑائی ہوئی سی حلیمہ اندر داخل ہوئی۔ ''سر....''

''تم ابھی تک یہیں ہو؟ اب چلے جانا چاہیے تمہیں۔'' وہ نرمی سے بولا تھا مگر حلیمہ چہرے پہ دوڑتی ہوائیوں کے ساتھ سامنے آئی۔

''سر' یونو.... ہم سیکرٹریز ایک دوسرے سے ان ٹچ ہوتی ہیں' اور بہت سی باتیں شیئر کرتی ہیں۔'' وہ پھولے تنفس کے ساتھ بول رہی تھی۔

''آگے بولو۔'' وہ تمہید سے بے زار ہوا۔

''سر.... نوشیرواں صاحب کی سیکرٹری کی کال آئی ہے مجھے۔ ابھی ابھی۔ انہوں نے... نوشیرواں نے... ایک ہوٹل میں میڈیا کے نمائندوں کو بلایا ہے' اور وہ ایک ہنگامی پریس کانفرنس کرنے جا رہے ہیں۔'' ہاشم بجلی کی سی تیزی سے کھڑا ہوا۔ اس کا رنگ فق ہوا تھا۔

''کیسی پریس کانفرنس؟'' فون اور والٹ اٹھاتے ہوئے وہ چیخا تھا۔

''کچھ نہیں معلوم' سر' وہ بس کوئی اہم انکشاف کرنے جا رہے ہیں۔'' اگلے الفاظ ہاشم نے نہیں سنے۔ اسے بس یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ دوڑ رہا ہے۔ رئیس اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ راہداریاں.... آفس کیبن.... لفٹ.... وہ پسینہ پسینہ ہوتے جسم کے ساتھ عبور کرتا' بھاگتا چلا جا رہا ہے۔ یوں لگ رہا تھا ساری عمارت اس کے سر پہ گرنے والی ہو.... ہر شے ملیا میٹ ہو کر زمین بوس ہونے والی ہو.... ساری دنیا جل کر راکھ ہونے والی تھی.....

سڑکوں پہ گاڑیاں... لوگ... درخت بھاگ رہے تھے... اور اس کی زندگی پیچھے کو دوڑ رہی تھی۔ برسوں کی محنت... ساکھ... عزت ... سب کچھ نوشیرواں کے اعترافِ جرم سے مٹی میں ملنے والی تھی۔ وہ اپنے بھائی کو کھونے جا رہا تھا۔ وہ تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔ رئیس اسے رفتار ہلکی کرنے کو کہہ رہا تھا' مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ اسے پسینے آ رہے تھے۔

اس کا بھائی اپنی زندگی ختم کرنے جا رہا تھا... نظروں کے سامنے اس کے بچپن کے مناظر گھوم رہے تھے... وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بار بار لڑھک کے گر جاتا' تو وہ جھک کے اسے اٹھاتا... اسے سنبھالتا... اس کی انگلی پکڑ کے اسے وہ دشوار زینے پار کرواتا... یہ انگلی کیسے چھوٹ گئی؟ کیسے فیصلہ کر لیا اس نے اس بے وقوفی کا؟ اوہ نہیں شیرو۔ پلیز نہیں.....''

ہال میں رش تھا۔ بے پناہ رش۔ اسے پوڈیم پہ ڈائس کے پیچھے شیرو کھڑا نظر آیا تھا۔ وہ تھری پیس سوٹ اور ٹائی میں تیار کھڑا تھا۔ بال بھی جیل سے جمار کھے تھے اور ایک ہاتھ ڈائس پہ رکھے وہ مائیک پہ چہرہ ذرا جھکائے بول رہا تھا۔ سامنے بیٹھا مجمع دھڑا دھڑ تصاویر کھینچ رہا تھا' ویڈیوز بنا رہا تھا۔ ہاشم سفید چہرے کے ساتھ آگے بڑھنے لگا مگر رئیس نے اسے بازو سے تھام کے روکا۔

''سر' ایسے مت کریں۔ تماشا بن جائے گا پوری دنیا کے سامنے۔''

''اسے روکو۔ بند کرو یہ سب۔ بجلی کاٹو' سگنلز جام کرو' کچھ کرو۔'' وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ گرجا تھا۔

''سر میں کچھ کرتا ہوں' مگر آپ پرسکون رہیں۔'' رئیس اسے روک کر خود دوسری طرف بھاگا تھا۔ ہاشم گہرے گہرے سانس لیتا' بے یقینی اور خوف سے پوڈیم پہ کھڑے شیرو کو دیکھے گیا۔ وہ آج بہت اونچا دکھائی دے رہا تھا' شاید اسٹیج کی اونچائی کافی زیادہ تھی۔ اس نے زینے کیسے چڑھے' وہ کیوں نہیں لڑکھڑایا؟ وہ بس اسے دیکھے گیا۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ مجھ سے پہلا سوال یہی پوچھنا چاہتے ہیں کہ میں نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا تھا یا نہیں۔ اس لئے بتاتا چلوں کہ کیس عدالت میں ہے' اور اس پہ بات کرنا منع ہے' لیکن میں صرف وہی کہوں گا جو میں کہہ سکتا ہوں۔'' بولتے ہوئے اس کی نظریں نیچے مجمع کے درمیان کھڑے ہاشم پہ جا ٹھہریں۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ ہاشم نے دیکھتے' گیلے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ گویا منت کی۔

(مت کرو شیرو۔ خدارا مت کرو میرے بھائی)

''اور میں آپ کو اس کیس کے بارے میں وہی کچھ کہہ سکتا ہوں جو میں نے پہلے دن عدالت میں کہا تھا۔ میں بے گناہ ہوں' اور میں نے سعدی یوسف پہ حملہ نہیں کیا تھا۔ عدالت کیا فیصلہ کرے گی' یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے یہاں آپ کو اس بات کے لئے نہیں بلایا۔''

ہاشم کا ردار بالکل ٹھہر گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی اور حیرت لئے وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ رپورٹرز دھڑا دھڑ لکھے جا رہے تھے۔ کلک کلک تصاویر اتاری جا رہی تھیں۔

''میں آج.... اعلانیہ طور پہ اپنی کمپنی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ یہ کمپنی ہم نے اچھی نیت سے شروع کی تھی اور اس کو چائنہ میں رجسٹرڈ کروایا تھا، ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہم turbines بنا کر حکومت کو بیچیں تاکہ وہ ان کو تھرکول پاور پراجیکٹ میں کوئلے سے گیس بنانے کے عمل میں استعمال کر سکے۔ میری کمپنی آج اس آسامی کے لئے حکومت کی نظر میں ایک مضبوط امیدوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہم یہ ٹینڈر لے بھی

جائیں' مگر.....''

ہاشم بالکل سن سا کھڑا تھا۔ یکدم بجلی بند ہوگئی۔ ہال میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شور سا بلند ہوا۔ ہاہو کی آوازیں آئیں۔ مگر ایونٹ آرگنائزر جلدی جلدی سب کو خاموش کرانے لگا۔ کیمروں کے فلیش آن کر لئے گئے۔ اندھیرے میں پھر سے سفید روشنی ہوگئی۔ صرف مائیک کا مسئلہ تھا' مگر پوڈیم پہ کھڑے نوشیرواں کو پرواہ نہ تھی۔ وہ سر اٹھا کے بولے جا رہا تھا۔ مزید بلند آواز میں۔

''مگر میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میری کمپنی جو ٹربائن بنا رہی ہے اور جس میں میرے خاندان نے کروڑوں روپیہ لگایا ہے 'وہ ٹربائن ناقص ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے دیں کہ اس لوڈ شیڈنگ سے لڑنے کے لئے....'' انگلی اٹھا کر اندھیر ہال کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس اندھیرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تھر کے جس کوئلے کو زمین کے اندر ہی گیس بنایا جانا تھا' اس عمل کے لیے اگر کسی کمپنی کی ٹربائنز کارگر ہیں تو وہ shell ہے۔ شیل کے علاوہ اس خطے کی تمام کمپنیز کی ٹربائنز ناکارہ ہیں' اور وہ UCG یعنی زیرِ زمین کوئلے کو گیس بنانے کے عمل (یعنی کوئلے کو کھود کر نکالے بغیر اندر ہی گیس میں تبدیل کر دینے) کے لئے مکمل طور پہ ناکارہ ہیں۔ یہ پراجیکٹ اگر کسی کمپنی کو ملنا چاہیے تو وہ شیل ہے۔ شیل کے علاوہ حکومت اگر کسی اور کمپنی کو یہ کام سونپتی ہے تو وہ اپنی عوام کے ساتھ دھوکہ کرے گی' اور Tax payer's money کو غلط جگہ استعمال کرے گی۔'' پسینے پسینے کھڑا نوشیرواں موبائلز اور فلیش لائٹس کی روشنی میں سارے ہال سے یکتا اور روشن نظر آ رہا تھا۔ آگے پیچھے ہر جگہ اندھیرا تھا۔ بس اس کا چہرہ روشن تھا۔ چمکتا ہوا۔ ساری مداخلت اور بدانتظامی کے باوجود اب سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

''میں اس کمپنی کے سی ای او کی حیثیت سے آج ریزائن کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں اتنے بڑے پراجیکٹ کا اہل نہیں ہوں۔ میرے خلاف چلنے والے ٹرائل سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ میں ابھی تک کچھ نہیں سیکھ پایا۔ اس لئے میں باعزت طور پہ اپنی کمپنی سے الگ ہو کر ایک ملٹی نیشنل میں جاب کے لئے اپلائی کر رہا ہوں۔ جیسے میرے باپ اور بھائی نے محنت کر کے اپنا راستہ بنایا اس طرح میں بھی مشکل راستہ چن رہا ہوں۔ اگر میں لوڈ شیڈنگ کو ختم نہیں کر سکتا' تو کم از کم میں ان طریقوں کی حمایت بھی نہیں کروں گا۔ جو اس مسئلے کو بڑھاتے ہیں' گھٹاتے نہیں۔ اس لئے نہ صرف میں اپنی کمپنی سے مستعفی ہو رہا ہوں بلکہ اپنی پیرنٹ کمپنی جو کہ ایک IPP ہے سے بھی ریزائن کر رہا ہوں۔ اور آخر میں ایک بات۔'' بلند آواز میں کہتے ہوئے اس نے کاغذات کا ایک پلندہ ان کو دکھایا۔ ''میں اس paper کو پبلش کر رہا ہوں' اور اس کی ایک کاپی آپ سب کو دس منٹ پہلے ای میل کر دی گئی ہے۔ اس میں میں نے آئی پی پی زکے حکومت سے معاہدوں پہ روشنی ڈالی ہے' کیونکہ میں مزید اب اس نظام کا حصہ نہیں بننا چاہتا جس میں ہم آئی پی پی زپورے پیسے لے کر آدھی بجلی بناتے رہیں۔ میں اس کو بدل نہیں سکتا' مگر اس کے خلاف آواز ضرور اٹھا سکتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ مجھے اب Whistleblower کہا جائے گا اور مجھے شاید کوئی کمپنی جاب نہ دے اور کوئی میرے ساتھ کاروبار نہ کرے' کیونکہ رات تک لوگ میری کمپنی سے پیسہ نکال کر اسے دیوالیہ کر دیں گے' لیکن میں اب مزید خاموش نہیں رہوں گا۔ میں اپنی تمام کمپنی پوزیشنز سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ شکریہ۔''

اب وہ پوڈیم سے اتر آیا تھا۔ مگر ہاشم یک ٹک پتھر کا بت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ رپورٹرز شہد کی مکھیوں کی طرح اس پہ سوالوں کے لئے جھپٹے

تھے مگر وہ خاموشی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ زینے خود چڑھا تھا' اور وہ زینے خود اتر رہا تھا۔ ہاشم کے ہاتھ برف ہو رہے تھے۔ وہ اندھیرے میں تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

❖❖❖

مجھے سکون میسر نہیں تو کیا غم ہے ..... گلوں کی عمر تو کانٹوں کے درمیاں گزری

چھے دن بعد۔

مورچال پہ رات گہری ہو کر اتر رہی تھی۔ سب سو چکے تھے مگر حنین لاؤنج میں موجود تھی۔ آستین اوپر چڑھائے' وہ اسٹول پہ کھڑی 'دیوار پہ stencil لگا کر اس کو پینٹ کر رہی تھی۔ (stencil پلاسٹک کا بڑا سا ٹکڑا ہوتا ہے جس میں ڈیزائن کی جگہ خالی ہوتی ہے جیسے عموماً ہاتھ پہ مہندی لگانے کے لئے ہتھیلی پہ رکھ کر اوپر مہندی لگا دی جاتی ہے' اور جب پلاسٹک اٹھاؤ' تو نیچے نقش و نگار بن چکے ہوتے ہیں۔) اس کے stencil پہ بڑا سا درخت کٹا ہوا تھا اور وہ احتیاط سے اس پہ برش پھیر رہی تھی۔

اندر زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی کام کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر گھڑی کو بھی دیکھ لیتی۔ گیارہ بجنے کو آئے تھے اور فارس نہیں آیا تھا۔ اور اسی پل اچانک سے اس کا فون بجا۔

فارس کا لنگ دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی۔ مگر جب موبائل کان سے لگایا تو لہجہ خشک بنا لیا۔

''جی کہیے۔''

''آہم۔'' وہ کھنکھارا تھا۔ ''کدھر ہو؟''

''گھر پہ۔ اور کہاں ہو سکتی ہوں؟''

''ایک ایڈریس ٹیکسٹ کر رہا ہوں' ادھر آ جاؤ۔''

''اس وقت؟ مگر کیوں؟''

''ایک اہم گواہ سے ملوانا ہے۔ زیادہ سوال مت پوچھو' بس ایک گھنٹے کے اندر ادھر پہنچو' اور سنو۔ صرف تم آنا۔ ساتھ میں پورے گھر کو مت لے آنا۔''

زمر نے چونک کے گھڑی کو دیکھا۔ بارہ بجنے میں ایک گھنٹہ تھا۔ ایک بھرپور مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

''اور اگر میں نہ آؤں تو؟'' لمحے بھر کے توقف سے وہ بولا۔

''پتہ بھیج رہا ہوں۔ جلدی آؤ۔'' اس کی توقع کے خلاف اس نے کوئی تپانے والا جملہ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ زمر نے مسکرا کر اسکرین کو دیکھا جہاں اس کا پیغام جگمگا رہا تھا۔ پتہ پڑھ کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

حنین نے ابھی درخت کی پہلی شاخ مکمل پینٹ کی تھی جب کھلتے دروازے کی آواز پہ وہ چونکی۔ زمر آہستہ سے کمرے سے باہر آ کر دروازہ بند کر رہی تھی۔ سیاہ ڈیزائنر وئیر پہنے' ہلکا میک اپ' ایئرنگز' کہنی پہ پرس۔ حنین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ اس وقت کس کی شادی میں جا رہی ہیں؟''

''اپنی شادی کی اینورسری میں جا رہی ہوں۔'' زمر نے بہت سکون سے تصحیح کی۔ حنین چونکی۔

''کل بیس مئی ہے؟ ایک سال ہو گیا؟''

''کل نہیں۔ ابھی بارہ بجے سے بیس مئی ہے۔ اور فارس صاحب کو اتنے دن سے ڈنر ڈنر کرنے کے بعد بالآخر آج وقت مل ہی گیا مجھے ڈنر پہ بلانے کا۔''

حنہ کی آنکھیں چمکیں۔ ''کہاں بلایا ہے؟''

''ہم دونوں کے لئے ایک یادگار جگہ ہے وہ۔ زیادہ سوال مت پوچھو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''ویسے ان کو چاہیے تھا آپ کی مرضی کی جگہ پہ لے کر جاتے آپ کو۔ ٹیبل ریزرو کر کے بتا رہے ہیں اب۔''

''وہ تو گواہ کو ملوانے کا بہانہ کر کے بلا رہا ہے' مگر اکیلے آنے کا کہنا' اور وہ بھی بیس مئی کی رات.... ظاہر ہے وہ مجھے سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ او کے اللہ حافظ''۔ وہ مسکرا کر اس کو الوداع کہتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ یونہی حنین کے دل نے تمنا کی کہ وہ آج پھر چابیاں بھول جائے' اور واپس آئے' مگر وہ عجلت میں تھی۔ خیر' حنہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی۔

درخت کی اوپری چار شاخیں بہت محنت اور احتیاط سے وہ پینٹ کر چکی تھی جب بیرونی دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ پھر اندر آنے کی آہٹ۔ حنہ چونک کر پلٹی۔ فارس چابیاں دروازے کے قریب ٹوکری میں ڈالتا اب ادھر آ رہا تھا۔ حنین نے فوراً گھڑی کو دیکھا۔ بارہ بجنے میں دس منٹ تھے۔ اسے شدید غصہ آیا۔

''یعنی آپ نے واقعی گواہ سے ملوانا تھا۔ اور وہ اتنی خوش کہ آپ ان کو ڈنر پہ بلا رہے ہیں۔ ویسے کون سا گواہ تھا یہ؟''

اندر آتے فارس نے رک کر اسے دیکھا جو اسٹول پہ کھڑی تھی اور ہاتھ میں stencil برش اور پینٹ کی پلیٹ تھی' دوسرے ہاتھ میں ٹشو تھا۔

''وعلیکم السلام حنین۔'' وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

''تاریخ بھول گئی تھی کیا؟ ڈنر پہ کیوں نہیں گئے؟''

''کیا شروع ہو گئی ہو گھر آتے ہی؟'' وہ ناسمجھی اور اکتاہٹ سے بولا۔ حنین نے ٹھہر کے پہلے اسے دیکھا۔ پھر اس کے کندھے کے پیچھے۔

''زمر آپ کے ساتھ نہیں آئیں؟'' اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

''وہ میرے ساتھ تو نہیں تھی۔ میں تو ابھی آ رہا ہوں۔'' وہ حیران ہوا تھا۔ حنین کے قدموں سے زمین سرکنے لگی۔

''آپ نے ابھی ابھی ان کو کال کی تھی اور کہا تھا کہ آپ کو ان کو کسی گواہ سے ملوانا ہے.... ہے نا...'' وہ ہکلائی۔ چند لمحے لگے فارس کو اس کی بات سمجھنے میں اور ایک دم اس کا پورا دماغ سنا اٹھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''حنہ' میں نے اسے کوئی کال نہیں کی۔ کہاں ہے وہ؟''

حنین کے ہاتھ سے پینٹ برش سب پھسل گیا۔

''آپ نے ان کو کہا کہ اکیلے آنا۔ وہ اکیلی چلی گئی۔ وہ خوش تھیں۔ بہت زیادہ۔'' اس کا گلا رندھا۔ وہ دم بخود کھڑی تھی۔

''کدھر.... کدھر گئی ہے وہ؟'' وہ حواس باختہ سا پوچھ رہا تھا۔ شل سی حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ نہیں بتایا۔'' فارس بے اختیار پیچھے کو بھاگا۔ ٹوکری سے چابی اٹھائی اور موبائل پہ نمبر ڈائل کرتے اس نے دروازہ کھولا۔

زمر کا فون آف جا رہا تھا.....

اس کی سماعتوں میں ایک فقرہ گونج رہا تھا

He cannot protect his women!

اوہ خدایا.... وہ اتنے دنوں سے غلط عورت کی حفاظت کر رہا تھا؟ اوہ خدایا....

❖❖❖

باب28:

آبزیدان(The Aquarium)

(حصہ اوّل)

زندگی کے اس سفر میں
ہر چیز کا دایاں اور بایاں ''پر'' ہے
محبت کے پنکھ کے لئے غصہ ہے
قسمت کے پنکھ کے لئے خوف ہے
درد کے پنکھ کے لئے شفا ہے
زخم دینے والے پنکھ کے لئے معافی ہے
غرور کے پنکھ کے لئے عاجزی ہے
آنسوؤں کے پنکھ کے لئے خوشی ہے
وقار کے پنکھ کے لئے ذلت ہے
چھوڑ دینے کے پنکھ کے لئے سنبھالے رکھنا ہے
ہم صرف دو پروں کے ساتھ اُڑ سکتے ہیں
اور دونوں پر ہوا میں تب ہی ٹھہر سکیں گے
جب ان میں ہوگا توازن!
دو خوبصورت پر ہی ہیں اصل کاملیت!
مگر
انسانوں کی ایک نسل ہے جو سمجھتی ہے کہ
کاملیت ان میں سے ایک پر کے
ہر وقت موجود ہونے کا نام ہے
لیکن مجھ سے پوچھو تو
ایک پنکھ والا پرندہ نامکمل ہے

ایک پروالا فرشتہ نامکمل ہے
ایک پروالی تتلی مردہ ہے
سو یہ لوگ جو کاملیت کو پانے کے لئے
اپنے ایک پر کو کاٹ کر پھینک دینے میں لگے ہیں
انہوں نے بنا ڈالی ہے
ایک معذور نسلِ انسانی!

(سی جوائے بیل سی)

❖❖❖

کچھ وقت کی روانی نے ہمیں یوں بدل دیا محسن ..... وفا پر اب بھی قائم ہیں مگر محبت چھوڑ دی ہم نے !

''چھ دن قبل۔''

قصرِ کاردار کی ساری بتیاں رات کے اس پہر بھی روشن تھیں۔ اندر داخل ہوتے نوشیرواں نے گہری سانس لی اور پھر قدم اٹھانے لگا۔ جیسے جیسے وہ چلتا آیا' لاؤنج قریب آتا گیا' اور بالآخر وہ بڑے صوفے کے بالکل سامنے آٹھہرا جہاں ہاشم بیٹھا تھا۔ اس نے کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔ شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑ رکھے تھے اور ٹائی ڈھیلی تھی۔ آہٹ پہ اس نے صرف آنکھیں اٹھائیں جو بے تاثر سی لگتی تھیں۔ مردہ سی۔ پریس کانفرنس کے چند گھنٹے بعد اب ان دونوں کی ملاقات ہو رہی تھی۔

''ویلکم ہوم!'' وہ شیرو پہ نظریں گاڑھے بولا تو آواز ایسی سرد تھی کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

''آپ کو جو بھی کہنا ہے میری پریس کانفرنس کے بارے میں بھائی' وہ آپ....'' وہ ہاتھ اٹھا کے کہنے لگا مگر.....

''یہ ایکویریم دیکھ رہے ہو اپنے پیچھے؟'' وہ ٹھنڈے سے انداز میں شیرو پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ نوشیرواں نے گردن موڑ کر دیکھا۔

لاؤنج کی ایک دیوار کے ساتھ نصب وہ ایک خوبصورت سا ایکویریم (آب زیدان) تھا جو برسوں سے اس گھر کا حصہ رہا تھا۔ اس کی شیشے کی مستطیل دیواروں میں ڈھیروں پانی جمع تھا' مصنوعی پودے اور پتھر اندرونی فرش پہ بچھے تھے' اور چند مچھلیاں دائیں سے بائیں ٹہل رہی تھیں۔ روشنیاں کچھ اس طرح لگتی تھیں کہ اندرونی ماحول کو منور کیے ہوئے تھیں۔

''تمہیں یاد ہے یہ ایکویریم کون لایا تھا؟ نہیں....'' اس نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''تمہیں کہاں یاد ہوگا۔ مگر بیٹھو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' اسے اشارہ کر کے وہ خود اٹھا اور قدم قدم چلتا ایکویریم کے قریب آرکا۔ وہ نوشیرواں کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی اداس آنکھیں شیشے کے مچھلی گھر پہ جمی تھیں۔ شیرو نہیں بیٹھا۔ اسی طرح کھڑا رہا۔ متذبذب' خفا سا۔

''تم سترہ سال کے تھے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ ایک ایگزیکٹو میٹنگ میں لے گیا تھا' تمہیں تھری پیس میں ڈریس اَپ کروا کے۔ تم اپنی عمر سے بڑے اور اچھے لگ رہے تھے۔ ڈیڈ کو بھی خوشی ہوئی تھی تمہارے آنے سے مگر حسبِ عادت وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ تم البتہ بے نیاز سے تھے۔ ہمارے ساتھ جا کر بیٹھ گئے تھے اور ہماری باتیں سننے لگ گئے تھے۔ ہم ایک ڈیل کرنے جا رہے تھے اور ہمیں معلوم تھا کہ دوسرا فریق بعد میں تھوڑے بہت ہیر پھیر سے کام لے گا' مگر یہ بات ان کے منہ پہ نہیں کہنی تھی ہم نے۔ ہمیں سمجھوتہ کرنا تھا' صرفِ نظر سے کام لینا تھا۔'' وہ اب ہولے ہولے شیشے کی دیوار پہ دستک دے رہا تھا۔ اندر تیرتی مچھلیاں مزید تیزی سے بل کھاتی ادھر ادھر چکر کاٹنے لگی تھیں۔

''مگر.....جب تمہیں اس دوران اس بات کا احساس ہوا کہ وہ بعد میں چیزوں کو manipulate کر سکتے ہیں' تو تم نے ایک دم

چڑھ کے بولنا شروع کر دیا۔ ہمارے جی ایم نے تمہیں آنکھیں دکھائیں' ڈیڈ کھنکھارے' مگر تم نے اپنی بات مکمل کر کے دم لیا۔ وہ لوگ Offended ہو گئے' اور انہوں نے ہم سے معذرت کر لی۔ ڈیڈ تم پہ بہت غصہ تھے' اور مجھ پہ بھی کہ میں تمہیں لایا ہی کیوں' مگر مجھے اطمینان تھا۔ دو باتوں کا اطمینان۔ ایک تو یہ کہ تم میں اتنی سمجھ ہے کہ غلط اور صحیح کا فرق کر سکو۔ بے شک ''عقل'' نہیں ہے کہ کس وقت بولنا ہے کس وقت نہیں' مگر چلو' سمجھ تو ہے۔ اور دوسرا یہ کہ تم ''درست فیصلہ'' کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اس دن میں تمہارے لئے یہ ایکویریم لایا تھا۔ اور اس کو ہمارے لاؤنج میں رکھوایا تا کہ تم گزرتے ہوئے اس کو دیکھتے رہو اور تمہیں اپنا بزنس میں دلچسپی لینا بھول نہ جائے۔''

وہ اب بولتے ہوئے آبزیدان کی کانچ کی دیوار کے کنارے پہ انگلی پھیر رہا تھا' گویا کوئی لکیر کھینچ رہا ہو۔ شیرو کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے اور وہ خاموشی سے کھڑا تھا۔

''مگر تم بھول گئے۔ بزنس میں دلچسپی لینا' اپنی سمجھ بوجھ' درست فیصلے کرنے کی طاقت' تم سب بھول گئے۔ میں نہیں بھولا۔ میں اس کی مچھلیاں بدلواتا رہا۔ جب کوئی مر جاتی تو اس سے ملتی جلتی مچھلی اندر ڈلوا دیتا۔ کوئی دن ایسا نہ گزرا جب اس کی مچھلیوں کی خوراک کا میں نے ملازموں سے پوچھا نہ ہو۔ میں تمہیں اکثر بزنس میٹنگز میں جانے سے پہلے یہ ایکویریم یاد کرواتا تھا' تا کہ تم سمجھ پاؤ کہ کاروبار کے سمندر میں تم ڈوب نہیں سکو گے اگر تیرنا سیکھ لو۔ میں نے اپنی امید نہیں کھوئی۔ تم نے سعدی کو گولی ماری' تم نے علیشا کو واپس بلایا' اس کو کمپنی میں سے حصہ دیا' ملک سے بھاگنے کی بجائے ٹرائل کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا' میں اس کی مچھلیوں کی حفاظت کرتا رہا۔ تم مجھ سے دور ہوتے گئے' زمر سے قریب ہوتے گئے' ممی سے بدتمیزی کرتے رہے' میں نے اپنی امید نہیں کھوئی' مگر آج شام.....'' اب کے وہ پورا گھوما تو نوشیرواں نے اس کا چہرہ دیکھا' اس کی خود پہ جمی ملال بھری آنکھیں دیکھیں اور اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''آج جب تم نے پریس کانفرنس کر کے اپنی کمپنی کو دیوالیہ کر دیا' ہماری پیرنٹ کمپنی کو نقصان پہنچایا' تم نے اپنے ہی خاندان کے کاروبار کے خلاف whistleblowing کی' تم نے ہمارے کانٹریکٹس پہ تنقیدی پیپر لکھ کے پبلش کر دیا' آج تم نے میری کمر میں خنجر گھونپا تو شیرو میں نے تم سے آخری امید بھی کھو دی۔ تم نوشیرواں اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں تو اچھے فیصلے کر سکتے ہو' مگر کاروبار میں تم ہمیشہ فیل رہو گے' اور اسی لئے اب سے تم صرف میرے بھائی ہو۔ کل آفس آ کر اپنی چیزیں لے جانا اور دوبارہ اس بلڈنگ میں قدم نہ رکھنا۔''

''کیا آپ اب بھی میرا کیس لڑیں گے؟'' اس سوال پہ ہاشم تلخی سے مسکرایا۔

''میں اب تمہارا کیس پہلے سے زیادہ جانفشانی سے لڑوں گا شیرو کیونکہ تم میرے بھائی ہو' اور اپنی عقل سمجھ سب کھو چکے ہو۔ میرے لئے تمہیں بچانا اب زیادہ ضروری ہو گیا ہے' مگر ہاں' تم نے مجھے آج بہت بڑا دکھ دیا ہے۔ میں نے کیا نہیں کیا اس سارے خاندان کے لئے اور تم سب نے مجھے ہر طرف سے نقصان پہنچایا۔ کیا اپنے بھائی کے ساتھ ایسے کیا جاتا ہے' شیرو؟''

نوشیرواں نے سر جھکا دیا۔ ''آئی ایم سوری آپ کو ہرٹ کرنے کے لئے' مگر میں اپنے فیصلوں پہ ''سوری'' نہیں ہوں۔ میں نے وہ کیا جو مجھے ٹھیک لگا۔''

''اور میں اب وہ کروں گا جو مجھے ٹھیک لگے گا۔ بہت ہو گیا میرا نقصان' اب جوابی حملہ کرنے کا وقت ہے۔''

شیرو نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''آپ کیا کریں گے؟''

''تم جا کر سو جاؤ۔'' اس نے ہاتھ جھلا کے ذرا نرمی سے اس کو جانے کا اشارہ کیا۔ شیرو بھی نہیں رکا۔ خاموشی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے کمرے کے دروازے پہ کھڑی جواہرات اس کے جاتے ساتھ ہی بولی تھی۔

''جب تم اپنے خاندان کو خود سے دور کرو گے تو یہی ہو گا ہاشم!''

ہاشم نے گردن موڑ کے ایک سرسری نظر اس پہ ڈالی۔ ''میں ابھی تک کچہری میں وکیلوں کے سامنے اپنی بے عزتی بھولا نہیں

ہوں۔ مجھے کچھ وقت لگے گا می' تب تک میرے سامنے نہ آئیں تو اچھا ہے۔ میری ایجیو۔'' آخر میں وہ اتنی بلند آواز میں دھاڑا تھا کہ جواہرات کا جسم تھرا اٹھا۔

''یس سر!'' میری دوڑتی آئی۔

''اس ایکویریم کو میرے آفس میں منتقل کروادو۔ اب اس کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے اور میں پانی میں سانس لیتی مچھلیوں کو بے گھر نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ اب مدھم آواز میں ہدایت دے رہا تھا اور جواہرات بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اجنبی ہوتا جا رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

تمام عمر جلاتے رہے چراغِ امید ..... تمام عمر امیدوں کے درمیان گزری

اگلی شام میں وہ دوبارہ ہسپتال آیا تا کہ اس اپاہج لڑکے کی خیریت اور طبیعت دریافت کر سکے۔ آج اس کو ڈسچارج کیا جانا تھا' اور سعدی اس سے پہلے ایک دفعہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ ہسپتال کی راہداریوں میں وہ خاموشی سے آگے بڑھتا گیا۔ دوائیوں اور اسپرٹ کی بو اور عجیب سی ویرانی در و دیوار سے ٹپکتی تھی۔ ابھی اسے چند طویل راہداریاں عبور کر کے مطلوبہ وارڈ تک پہنچنا تھا۔ راستہ طویل تھا اور دل پہ بوجھ ڈالنے والا بھی تھا۔ اس نے رفتار سست کر دی۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھتا وہ ہولے ہولے قدم اٹھانے لگا۔

ہسپتال بھی عجیب جگہ تھی۔ یہاں آ کر عجیب سے احساسات ہوتے تھے۔ لوگوں کی آوازیں' شور' پکاریں' اور ساتھ میں خاموشی۔ وہ سب مل کر کان میں سیسہ گھول دیتیں۔ اس نے ہینڈز فری کانوں میں ٹھونس لی اور موبائل کی اسکرین کو سر جھکا کے دیکھتا' مطلوبہ آیات کو چھوتا آگے بڑھتا گیا۔

دل کو مریض کی عیادت بھی نرم کرتی ہے' اور قرآن کی تلاوت بھی۔ وہ ان دونوں کو ملانے لگا' شاید کہ اثر بڑھ جائے۔

میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی' دھتکارے ہوئے شیطان سے۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اب وہ پھر سے اطراف میں دیکھنے لگا تھا۔ قطار در قطار بیڈ..... کھلے دروازوں سے جھانکتے بے حال' زرد چہروں والے لوگ۔ وحشت سی وحشت تھی۔

''اور بے شک آپ کا رب تو لوگوں پر فضل کرتا ہے
لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔'' (النمل۔73)

''شکر کیا ہے اللہ تعالیٰ؟'' وہ بول نہیں رہا تھا' سوچ رہا تھا اور اسی طرح قدم بڑھا رہا تھا۔ ''آخر یہ شکر کہتے کس کو ہیں؟ جب کچھ نہ ہو پاس تو وہ آنکھ رکھنا جو ''وہ'' دیکھ لے جو کبھی نہ کبھی ضرور ملے گا۔ لیکن کچھ نہ کچھ تو ہر پل پاس ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں پہ فضل کرتے ہیں۔ فضل ''زائد'' دینے کو کہتے ہیں۔ حق سے' اوقات سے بڑھ کر دینے کو۔ جیسے آپ ہمیں نعمتیں دیتے ہیں' ویسے ہی آپ ہمیں ''مواقع'' بھی دیتے ہیں۔ صرف مادی چیزوں دولت' اولاد' کامیابی پہ شکر کرتے ہوئے ہم بھول جاتے ہیں کہ ہمیں ''مواقعوں'' پہ بھی شکر کرنا ہے۔ chances پر۔ ہم میں سے جن کے ماں باپ گزر چکے ہوتے ہیں' اور وہ ان کی خدمت نہیں کر سکے ہوتے' وہ برسوں پچھتاووں اور ملال میں گھرے رہتے ہیں کہ کیا تھا اگر اللہ ان کو زندہ رکھتا اور وہ ان کی خدمت کر پاتے؟ مگر ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ ہمیں دوبارہ موقع ضرور دیتا ہے' کسی بوڑھے کو ہمارے قریب لا بساتا ہے' چاہے ساس سسر ہوں' کوئی لاچار بزرگ ہمسایا ہو' یا کوئی بوڑھا ملازم کوئی ہوتا ہے ہمارے گرد جس کی خدمت کی جا سکتی ہے مگر اپنے پچھتاووں میں ہم مواقع ضائع کر دیتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے ماں باپ کی طرح نہیں سمجھ سکتے' مگر سارا مسئلہ یہی ہے کہ ان کو والدین نہیں سمجھنا۔ نہ ان سے والدین کی طرح محبت کرنی ہے۔ صرف ان کی عزت اور خدمت کرنی ہے۔ شادی سے پہلے

لڑکیاں چھوٹے بہن بھائیوں کو بہت جھڑکتی ہیں' بعد میں پچھتاتی ہیں' مگر صرف پچھتانے کا کیا فائدہ جب اپنے اردگرد ویسے ہی چھوٹے بچے دیکھنے اور ان سے نرمی کرنے والی بصیرت ہی نہ رکھے انسان۔ ہم مسلسل رونا روتے ہیں کہ ہمیں کوئی بری لت پڑی ہوئی ہے' کوئی ایسا گناہ ہے ہم چھوڑ نہیں پا رہے' بار بار اس کو کر بیٹھتے ہیں۔ بڑے وعدے کیے اللہ سے' بڑی معافی مانگی' مگر پھر سے کر دیا۔ کمزور پڑ گئے۔ نفس کے آگے ہار گئے۔ اب روتے ہیں کہ سارا وقت مایوسی.... ڈپریشن.... میں تو کسی اچھائی کے قابل نہیں رہا۔ یہ نہیں دیکھیں گے کہ گناہ کے بعد احساس ہونا اور خود کو ٹھیک کرنے کا اور توبہ کرنے کا موقع دیا ہے اللہ نے۔ یہ ہے اللہ کا فضل جس کو اپنے پچھتاووں میں ہم ضائع کر دیتے ہیں۔ پچھتاوا ہونا چاہیے مگر پچھتاوے کا ڈپریشن لے کر مایوس ہو جانا ان مواقعوں کی ناقدری ہے۔ اور ہم یہ ناقدری روز کرتے ہیں۔ آخر کب ہم اپنے اردگرد وہ تمام ''موقع'' دیکھنے کی آنکھ پیدا کریں گے خود میں جو اللہ نے ہمارے پچھتاووں کے بدلے میں replace کر کے ہمارے سامنے لا رکھے ہیں۔ آخر کب؟'' وہ سفید فرش پہ قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ چہرے پہ ملال سا تھا۔ اردگرد چھائی وحشت ویسی ہی تھی اور طبیعت کو عجیب مکدر کر رہی تھی۔ پھر مریضوں کی آوازیں' ہسپتال کے عملے کا شور سب سے بڑھتا گیا تو اس نے ہینڈز فری کانوں سے نکال لی۔ مطلوبہ راہداری قریب آ چکی تھی۔

اس لڑکے کا نام شہزاد تھا' اور وہ بستر پہ ٹیک لگائے اٹھا بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ چہرہ کھل اٹھا۔ سعدی مسکراتا ہوا اس کے سامنے بستر کی پائنتی پہ آ بیٹھا۔ وارڈ میں آگے پیچھے لوگوں کا شور اور رش ہر پل بڑھ رہا تھا' ایسے میں جب وہ لڑکا اڑ اڑ کے رک رک کے اس سے مخاطب ہوا تو اس کی بات سننے کے لئے سعدی کو آگے جھکنا پڑا۔ اس کی ماں دوائیاں لینے گئی ہے' اور وہ جلد ڈسچارج کر دیا جائے گا' یہ بات وہ بدقت سمجھ پایا تھا۔

''وہ لڑکے کون تھے' تمہیں کیوں مار رہے تھے؟''

''وہ اسٹور سے چیزیں چرا رہے تھے.... میں نے.... میں نے شاپ کیپر کو بتا دیا تو باہر نکل کے وہ مجھے مارنے لگے....'' وہ ٹیڑھے ہونٹوں کے ساتھ زور لگا لگا کر بولتا تھا۔ سعدی مسکرا کے سنتا رہا۔ لڑکا بے چینی سے پھر سے گویا ہوا۔

''آپ.... ٹی وی والے ہو نا.... سا.... سعدی یوسف؟'' سعدی نے اسی اداس مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ وہ جانتا تھا اب وہ لڑکا اس کا شکریہ ادا کرے گا' کہ اس نے کمزور کی مدد کی' طاقتور کے مقابلے میں اور....

''آپ لوگ.... آپ سب.... بہت.... بے وقوف ہو۔'' وہ ہکلا کے بولا تو سعدی کی مسکراہٹ سمٹی۔ پھر یکدم وہ دل کھول کے ہنس دیا۔ اور غور سے اس کم عمر لڑکے کو دیکھا۔ سانولی رنگت اور سیاہ آنکھوں والا شہزاد کافی مضطرب اور بے چین نظر آتا تھا۔

''اچھا.... کیوں ہوں میں بے وقوف؟'' وہ جواباً زور لگا کے کچھ بولنے لگا تھا مگر سعدی کی بات جاری تھی۔ ''کیونکہ میں امیر اور طاقتور لوگوں کے خلاف کھڑا ہوا ہوں؟'' لڑکے نے نفی میں سر ہلایا۔

''یا میں اس ملک کے گلے سڑے عدالتی نظام سے انصاف کی امید وابستہ کیے ہوئے ہوں؟''

''نن.... نہیں....''

''یا میں چپ کر کے ان سے پیسے لینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یا میں ان کے ڈر سے دبک کر بیٹھ نہیں گیا؟ کیوں شہزاد' تم جیسے نوجوان کو سعدی یوسف بے وقوف کیوں لگتا ہے۔''

''میں....'' مگر وہ اس کو نہیں سن رہا تھا۔

''کیا میں اس لئے بے وقوف ہوں کیونکہ میں ایک بے سود کوشش کر رہا ہوں؟ قید میں اپنے پراجیکٹ کے راز ان کے حوالے کر دیتا' تیس کروڑ لے لیتا' اور نئی زندگی شروع کر دیتا تو عقلمند ہوتا؟ قصاص مانگ رہا ہوں میں۔ اتنا وقت اور پیسہ برباد کر رہا ہوں۔ اس لئے بیوقوف

لگتا ہوں نا میں سب کو....'' اس کے لہجے میں جذباتی سا دکھ ابھر آیا تھا۔لڑکا جو بار بار بے چینی سے نفی میں سر ہلاتا تھا' اب کے پورا زور لگا کے بولا۔

''تم لوگوں نے آپریٹر سے پوچھ گچھ نہیں کی۔'' پورا فقرہ بول کے وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔سعدی یوسف بالکل ٹھہر گیا۔

''کیا؟''

''ائیر پورٹ....کنٹرول روم آپریٹر....میری امی ائیر پورٹ پہ کام کرتی ہے....آپریٹر نے بولا تھا کہ اس نے امیر لڑکے کی فوٹیج ڈیلیٹ کر دی ہے....''

''کون نوشیرواں؟۔'' وہ تیزی سے بولا مگر آواز دھیمی کر لی۔''مگر ہم نے ائیر پورٹ کی ساری فوٹیجز چیک کی تھیں' اکیس مئی کی اور اگلے ایک ہفتے کی....نوشیرواں کہیں نہیں تھا۔''

''مگر آپریٹر نے خود بولا کسی کو کہ اس نے فوٹیج مٹائی ہے....فوٹیج میں وہ تمہارے گم ہو جانے کے''بعد'' ملک سے جاتا نظر آ رہا تھا۔ ائیر پورٹ پہ سب کو پتہ ہے یہ بات۔تم بہت مشہور ہو۔مگر تم نے کسی سے پوچھا نہیں۔خاموشی سے چلے گئے.....''

ٹھنڈی برف کی آبشار تھی جو سعدی یوسف پہ اوپر سے آ گری تھی۔وہ بے یقینی سے اس کے قریب آیا۔''تمہارا مطلب ہے کہ ثبوت نہیں ہے' مگر اس ثبوت کو دیکھنے والا گواہ موجود ہے!''

لڑکے نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔بالآخر وہ اپنی بات سمجھا پایا تھا۔

''اور تمہاری ماں کو یقین ہے کہ اس نے اس آپریٹر کو یہ سب کہتے سنا ہے؟''

''ہاں....ہاں....میری امی جھوٹ نہیں بولتی۔'' سعدی چند لمحے بس اسے دیکھے گیا۔اندر بہت سے طوفان برپا تھے۔

❖❖❖

ہر آبلے پہ درج ہے تفصیلِ زندگی ..... مجھ سے نہ پوچھ میرے سفر کی اذیتیں

وارث کی موت کے بعد اس کی آنکھوں پہ چھائی سرخ دھند ابھی ویسی ہی تھی۔اس روز اس نے زمر کو اپنی واحد گواہ سے ملوانے کے لئے اس کے ہوٹل بلایا تھا' جو گواہی دے سکے کہ فارس غازی قتل کے وقت اس کے ساتھ تھا۔حنین بھی ان کے ہمراہ تھی اور وہ زمر کو وقت اور جگہ بتا کر اب ہوٹل روم میں بیٹھے اس کے منتظر تھے۔فارس خاموش تھا۔علیشا خاموش تھی۔حنین خاموش تھی۔وہ ایسی خاموشی تھی جس میں ہر شخص اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔سب کو خود کو بچانے کی فکر تھی۔خود غرضی نہیں تھی یہ، بے بس سا سیلف ڈیفینس تھا۔حنین اپنی جگہ شرمندہ دکھائی دیتی تھی۔اسے فارس کو اس دن سب سے دور علیشا کے پاس لے جانے میں اپنی غلطی لگ رہی تھی۔امی جب سے غم سے ذرا نکلی تھیں' اٹھتے بیٹھتے اسے انٹرنیٹ فرینڈز کے نقصان گنوا رہی تھیں۔زمر اس سے مل لے تو سارا مسئلہ ختم ہو جائے۔اور سب اس قصے کو بھول بھال جائیں۔

علیشا کو اپنی فکر تھی۔وہ یہاں ہاشم اور اپنے باپ کے دانتوں سے چندنوالے کھینچنے آئی تھی۔اسے اپنا جائز حصہ چاہیے تھا مگر ایسے میں

وہ

ایک قتل کیس کے مشتبہ شخص کی ایلی بائی بن چکی تھی جو اس کے باپ کا رشتے دار تھا۔وہ جلد سے جلد اس مشکل سے نکلنا چاہتی تھی۔

فارس الگ پریشان تھا۔زمر پہ غصہ ابھی تک ویسا ہی تھا۔وہ اپنا کام تیزی سے کیوں نہیں کر رہی؟ وہ وارث کے باس سے ملنے کب جائے گی؟ وہ وکلاء اور پراسیکیوشن آفس کی ازلی سست رفتاری سے واقف تھا' مگر اس وقت کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ہر چیز غصے' فرسٹریشن اور پریشانی میں مبہم دکھائی دیتی تھی۔

جب وہ کافی دیر تک نہیں آئی تو فارس اسے فون کرنے لگا۔کال بار بار ٹوٹ جاتی۔''رابطہ ممکن نہیں۔''۔''اس نمبر سے جواب موصول

نہیں ہو رہا۔'' اسے اب زمر پہ افسوس ہونے لگا تھا۔ غصے بھرا افسوس۔ وہ کتنی دیر اس کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹتا رہا۔ حنین درمیان میں ایک دو بار نیچے شاپس سے پھر بھی آئی (وہ اب بور ہونے لگی تھی۔) مگر زمر نہیں آئی۔

زرتاشہ نے موبائل اٹھایا اور فارس کو کال ملائی۔ ایک گھنٹی بجی' پھر دوسری۔ اس نے فون اٹھالیا۔

''ہاں زرتاشہ بولو؟''

''آپ کدھر ہیں؟'' قدرے ہچکچاہٹ سے اس نے پوچھا۔ ساتھ میں اسے خود پر افسوس ہونے لگا' وہ کیسے کسی اجنبی کی کال پہ اعتبار کر سکتی تھی؟

''میں کام سے آیا ہوا ہوں باہر۔ کوئی کام ہے؟''

''نہیں۔ بس میں آپ کا پتا کرنا چاہ رہی تھی۔ آج آپ نے پراسیکیوٹر سے ملوانا تھا اس لڑکی کو' وہ سب ہو گیا خیر سے؟''

''ہاں مگر میڈم ابھی تک نہیں آئیں۔ میں اور حنین علیشا کے کمرے میں ان کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''ہوٹل میں یعنی کہ.....؟'' اس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ فارس نے ''بائے'' کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ ایک دم کلس کر رہ گئی۔ پھر موبائل رکھ کر ایک نئے ارادے سے اٹھی۔

غصہ افسوس میں بدلا اور افسوس مایوسی میں۔ سہ پہر طویل ہوتی گئی اور امید چھوٹی ہوتی گئی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ بس اب وہ پراسیکیوشن آفس کے چکر نہیں لگائے گا۔ ساری عدالتیں گئیں جہنم میں۔ اب جو کرنا ہے وہ خود کرے گا۔ اس نے حنین کو چلنے کو کہا۔ وہ اس وقت اتنے تنے ہوئے تاثر لئے ہوئے تھا کہ حنہ چوں چراں کیے بغیر اس کے ساتھ آ گئی۔ علیشا کی جان چھوٹی تو اس نے ان دونوں کے جانے پہ گویا سکھ کا سانس لیا تھا۔

اس نے حنین کو ابھی گھر ڈراپ کیا ہی تھا کہ موبائل پہ کال آنے لگی۔ نمبر غیر شناسا تھا۔ فارس نے کال وصول کر لی۔

دوسری طرف جانے کون تھا' اس نے کبھی رک کے نہیں سوچا۔ پیشہ وارانہ انداز میں اطلاع دی گئی تھی' جسے سن کر اس کا سارا جسم کانپ اٹھا تھا۔ وہ ششدر رہ گیا تھا۔ ساری آوازیں' ساری آہٹیں دم توڑ گئی تھیں۔ وہ کچھ کہہ بھی نہ سکا' بس کار کا رخ موڑ دیا۔ وہ تیز ڈرائیو کر رہا تھا مگر ہر شے سلوموشن میں ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے اردگرد لوگ ہارن بجا بجا نہیں تھک رہے تھے' کار کی کھڑکی سے سر نکال کر اسے گالیاں دے رہے تھے' وہ روڈ کے غلط سمت میں تھا' اسے کچھ پتہ نہ تھا۔ کوئی ہوش نہ تھا۔

اس کی بیوی ہسپتال میں تھی۔ اس کی بیوی کو گولیاں لگی تھیں اور اس کے سیل فون میں ''ہزبینڈ'' کے نام محفوظ شدہ نمبر ہسپتال والوں یا شاید پولیس والوں نے ڈائل کیا تھا۔ کوئی نام' کوئی نیک' کوئی اور حوالہ نہ تھا۔ صرف ہزبینڈ۔ ایسا رشتہ کہ جیسے سب کو پتہ ہو' بس یہی بچانے آئے گا۔

وہ پارکنگ لاٹ میں زنجیریں پھلانگتا' گملے گراتا' بھاگم بھاگ دوڑ رہا تھا۔ اس کی رنگت سفید تھی اور سانس رک رک کے آتی تھی۔ زندگی ایک دفعہ پھر وارث کے ہاسٹل کے کمرے کے باہر جا پہنچی تھی' ایک دروازہ تھا جسے وہ ہاتھ پاؤں مار مار کے کھولنے' توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دروازے کے پار ایک اور بے جان جسم منظر تھا یا.....؟ وہ نفی میں سر ہلاتا راہداری میں آگے بھاگتا جا رہا تھا۔ کس سے کیا پوچھا' کون اس کو راستہ بتاتا رہا تھا' وہ نہ سن رہا تھا' نہ دیکھ رہا تھا۔ بس اس سمت میں بھاگ رہا تھا۔

وہ کمرہ ٹھنڈا تھا۔ ایسے جیسے برف کی دیواریں ہوں' پانی کا فرش ہو اور گویا آنکھوں کے سامنے سفید دھند ہو۔ وہ اسے کچھ بتا رہے تھے۔ بہت سے لوگ تھے ادھر' اور وہ بہت کچھ کہہ رہے تھے۔ فارس کے قدم اب ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔ وہ اس اسٹریچر کے ساتھ کھڑا تھا جس پہ سفید چادر ڈالی گئی تھی۔ اس کی نظریں چادر پہ جمی تھیں مگر ہاتھ اٹھا کر چادر ہٹانے کی ہمت نہیں تھی۔ اس کا تذبذب دیکھ کر سامنے کھڑی سفید کوٹ والی عورت نے چادر چہرے سے ہٹائی۔

کسی اپنے کا مردہ چہرہ پہچاننا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ ایسا سفید' پیلا' اور ٹھنڈا ہوتا ہے' ایسے تو وہ سوتے ہوئے بھی نہیں لگا کرتے۔ ایسے آنکھیں تو وہ مذاق میں بھی بند نہیں کرتے۔ ایسے پتھر تو وہ ناراضی میں بھی نہیں بنتے۔ وہ بھی ایسی ہی لگ رہی تھی۔ اس کی پیشانی پہ سیاہ دھبہ تھا۔ سفید دھند کے باعث اسے وہ دھبہ ہی دکھا تھا۔ وہیں اسے گولی لگی تھی۔ اور ایک سینے میں۔ وہ ہسپتال آنے سے پہلے ہی مر چکی تھی' پھر بھی' (اسے بتایا جا رہا تھا) کہ اس کو بچانے کی کوشش کی گئی مگر یہ انسانوں کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ تو کیا انسانوں کے ہاتھ میں صرف جان لینا ہوتا ہے؟ زندگیاں اجاڑنا ہوتا ہے؟ وہ تھکا ہارا زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔ پانی کا فرش یخ ٹھنڈا تھا مگر اس کا اپنا جسم بھی برف بن چکا تھا۔ سر نیہوا ڑے' وہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ وارث کی موت پہ اسے غصہ محسوس ہوا تھا' زرتاشہ کی موت پہ خوف محسوس ہوتا تھا۔ ایسا ڈر جو پہلے کبھی نہیں لگا تھا۔

اس خوف سے رگوں کا خون تک سہم کے جم گیا تھا۔ کوئی اسے کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ دوسری لڑکی بھی تھی' جس کی شناخت پراسیکیوٹر زمر کے طور پہ ہوئی ہے اور وہ سرجری میں ہے مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ کون زمر؟ کیسی زمر؟ اسے اب پروا نہیں رہی تھی۔ پیشانی پہ ہاتھ رکھے وہ سر جھکائے وہاں بیٹھا تھا اور گویا پانی کا فرش دھیرے دھیرے اسے نگل رہا تھا۔ وہ ڈوبتا جا رہا تھا۔ ٹھنڈے پانی سے یخ برف بنتا جا رہا تھا۔ سفید پڑ رہا تھا مگر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

❖❖❖

موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال ..... ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغِ آب دار تھا

وہ رات قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔ آسمان تاریک ہو چکا تھا' اور تاروں کا جہاں ماحولیاتی آلودگی کی گہری تہہ کی وجہ سے شہر کی سڑکوں سے نظر نہیں آتا تھا۔ ایسے میں ہارون عبید کی رہائشگاہ پہ وہ دونوں خاموشی سے ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ہارون عبید گاہے بگاہے اس پہ نظر ڈال لیتے جو کھانے کے ساتھ بار بار اپنے موبائل کی اسکرین کو دیکھتی تھی۔

ملازم کو جانے کا اشارہ کر کے ہارون اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''آبی....'' اس نے نہیں سنا۔ سرخ رومال سر پہ اوڑھے ان کی خوبصورت بیٹی رک کر موبائل اسکرین پہ انگلی پھیرنے لگ گئی تھی۔

''آبی۔'' دوبارہ پکارنے پہ وہ چونکی۔ موبائل بجھا کے ان کی طرف سنبھل کے متوجہ ہوئی۔ ''سنا ہے مسز کاردار اینٹی سوشل ہوتی جا رہی ہیں۔''

''مجھے نہیں خبر!'' اس نے بے پروا ہی سے شانے اچکائے۔

''تو خبر رکھا کرو نا۔ مجھے وجہ جاننی ہے۔ تم یوں کرو' کل ہاشم سے ملنے چلی جاؤ۔ اس سے پوچھو کہ.....''

''بابا۔'' وہ اکتا کر بولی تھی۔ ''اگر آپ کو مسز کاردار کی حالتِ زار میں اتنی دلچسپی ہے تو خود چلے جائیں یا اپنے کسی جاسوس کو بھیج دیں۔ مجھ سے یہ کام نہ کروایا کریں۔''

''بیٹا تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ ہاشم سے کہنا ہے تم اس کے پرپوزل پہ غور کر رہی ہو' لیکن تمہاری کچھ شرائط ہیں۔''

آبی نے چونک کے ان کو دیکھا۔ ''کیسی شرائط؟''

''کچھ پیپرز ہیں' تم نے ان پہ ہاشم کے دستخط لینے ہیں لیکن ایسے کہ اسے یقین ہو جائے کہ تم اس کے ساتھ مخلص ہو اور.....'' آبدار نے زور سے کانٹا پلیٹ میں پٹخا' اور موبائل اٹھا کے کرسی دھکیلتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ غصے اور توہین سے تمتماتے چہرے کے ساتھ ان کو دیکھ کے وہ بس افسوس سے اتنا بولی تھی۔ ''میں آپ کی بیٹی ہوں یا کٹھ پتلی' آپ ایک دفعہ بتا کیوں نہیں دیتے؟ اور میں مزید آپ کے ہاتھوں استعمال نہیں ہوں گی۔ مجھے ہاشم سے نہ شادی کرنی ہے نہ اسے کوئی امید دلانی ہے۔ آئندہ میں اس موضوع پہ کوئی بات نہیں سنوں گی۔'' برہمی سے بولتی وہ نیپکین پرے پھینکتی ساتھ سے نکل کے باہر چلی

گئی۔ ہارون اثر لئے بنا اسی طرح سکون سے لقمہ چباتے رہے۔ ان کا ذہن اب اگلا لائحہ عمل سوچ رہا تھا۔

جس وقت وہ کمرے کی طرف جا رہی تھی اس کا موبائل تھرتھرانے لگا تھا۔ اس نے رک کر اسکرین دیکھی تو چہرے پہ ہیجان سا نمودار ہوا' پھر ہچکچاتے ہوئے فون کان سے لگایا۔

''ہاشم!'' آج پورے نام سے پکارا۔

''ریڈ....'' وہ جیسے زخمی سا مسکرایا تھا۔ ''مل سکتی ہو؟''

''کیوں؟ خیریت؟''

''مل کے بتاؤں گا۔'' انداز میں عجیب سی دھونس تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ احتجاج کرتی' وہ لائن کاٹ چکا تھا۔ وہ متذبذب سی کھڑی رہ گئی۔

❖❖❖

چلتی ہے اب تو سانس بھی اس احتیاط سے ..... جیسے گزر رہی ہو کسی پل صراط سے

مور چال پہ رات کا اندھیرا پھیلا تھا۔ زمر کے کمرے میں آؤ تو وہ صوفے کے ایک کنارے پہ بیٹھی اپنے موبائل پہ لگی تھی۔ فارس دوسرے کنارے پہ بیٹھا اپنے فون پہ لگا تھا۔ مصروف سی خاموشی کمرے میں حائل تھی۔ تبھی دروازہ زور سے بجا تو وہ دونوں چونکے۔ زمر تیزی سے اٹھی اور دروازہ کھولا۔ سامنے سعدی کھڑا تھا' ہانپتا کانپتا' جیسے بھاگ کے آیا ہو۔

''فوٹیج تھی۔ نوشیرواں کی فوٹیج۔''

''سعدی آرام سے۔ بیٹھو' پانی پیو۔'' وہ اسے کہنی سے تھامے اندر لائی جس کا چہرہ اور بال پسینے سے تر تھے۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' فارس اسے یوں آتے دیکھ کے حیرت سے اٹھا۔

''نوشیرواں کی فوٹیج ائیر پورٹ سیکیورٹی فورس کے پاس تھی جس میں وہ 22 مئی کی صبح دبئی کے لئے بورڈنگ کرتا دکھائی دے رہا ہے۔'' وہ بے چین سا صوفے کے کنارے بیٹھا۔

''ایسی کوئی فوٹیج نہیں ہے' ہم نے سب پتہ کروایا تھا۔''

''فارس ٹھیک کہہ رہا ہے' ایسی کوئی فوٹیج نہیں ہے' ہوتی تو ہمیں مل جاتی۔''

''ائیر پورٹ پہ ملازم ایک خاتون سے بات ہوئی ہے میری۔ ان کا کہنا ہے کہ فوٹیج آپریٹر نے مٹا دی تھی جب ٹرائل شروع ہوا تھا....'' وہ پھولی سانس کے دوران سب کچھ کہتا گیا۔

''مطلب تم پی ایم ڈی سی والے کلرک کے پیچھے نہیں گئے۔'' فارس نے اسے برہمی سے دیکھا تو جواباً سعدی نے صرف سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔ ''کتنا اچھا ہو کہ آپ اس بات پہ فوکس کریں کہ اب ہمیں وہ فوٹیج کیسے نکلوانی ہے۔''

''چوری کروا سکتا ہوں میں' مگر پھر....'' زمر کو دیکھا تو اس نے جھٹ نفی میں سر ہلایا۔

''چوری کی فوٹیج کورٹ میں قابلِ قبول نہیں ہوگی فارس۔ صرف وہی فوٹیج قابلِ قبول ہوگی جو ائیر پورٹ سیکیورٹی فورس خود ہمارے حوالے کرے۔ قانونی طور پہ۔ اور اگر وہ ڈیلیٹ کر چکا ہے تو نہیں ملے گی۔''

''تو اس آپریٹر کو گواہ کے طور پہ بلائیں۔'' سعدی نے بے چینی سے بات کاٹی۔

''وہ تو ہو جائے گا' اور عدالت کہے گی اگلی پیشی پہ آپریٹر کو حاضر کرو۔ مگر ہاشم کو چند دن مل جائیں گے اور وہ گواہ کو غائب کرا دے گا یا خاموش کرا دے گا۔''

فارس ہلکا سا کھنکھارا۔''جس شخص نے ہاشم کے پیسے کھا کے فوٹیج مٹائی ہے'وہ ہمارے حق میں گواہی دے گا ہی کیوں؟''

''تو اب ہم کیا کریں؟'' وہ ان دونوں سے پوچھ رہی تھی اور دونوں جواباً اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔

❖❖❖

مجھ سے کسی کو کام کیا، میرا کہیں قیام کیا ..... میرا سفر ہے در وطن، میرا وطن ہے در سفر

''قتل سے پانچ دن قبل۔''

وہ صبح بارش سے نہائی ہوئی تھی۔قصرِ کاردار کا سارا سبزہ اپنی میل کچیل سے پاک نکھرا اور دھلا دھلایا لگ رہا تھا۔لاؤنج میں ملازم معمول کی صفائی کر رہے تھے۔فیونا جواہرات کے کمرے کے باہر کھڑی حکم چلا رہی تھی۔اب وہ میری سے نہ الجھتی تھی' نہ برے موڈ میں رہتی تھی۔بس مسکراتی رہتی تھی۔

جواہرات اپنے کمرے میں سست سی آرام دہ کرسی پہ بیٹھی اپنا فون دیکھ رہی تھی۔بال کیچر میں باندھ رکھے تھے'اور چہرے پہ بے زاری تھی۔دفعتاً دروازہ کھٹکھٹا کر فیونا نے اندر جھانکا۔جواہرات نے اکتائی ہوئی نظر اٹھائی۔

''میری اجازت کا انتظار کیا کرو۔''

''سوری مسز کاردار' مگر مسز رفیع کا ملازم آیا ہے' آپ کا ڈریس لے کر۔وہ آپ ہی کا ڈریس ہے نا؟'' احتیاطاً پوچھا۔جواہرات چونکی پھر اثبات میں سر ہلایا۔''اسے اندر بھیجو۔''

''گارڈز اس کو چیک کر لیں' پھر بھیجتے ہیں۔'' ایک مسکراہٹ کے ساتھ فیونا غائب ہوگئی۔وہ صبر کے گھونٹ بھر کے رہ گئی۔

چند لمحے بعد مسز رفیع کا ملازم ایک کھلا ہوا پیکٹ اس کے سامنے میز پہ رکھ رہا تھا۔(پیکٹ گارڈز نے کھول کے چیک کیا تھا۔)البتہ اس وقت کمرے میں صرف فیونا تھی۔ایسے میں جب مسز رفیع کے ملازم نے جھک کے پیکٹ میز پہ رکھا تو جواہرات نے دیکھا اس نے پیکٹ تلے بھی کوئی شے رکھ دی تھی۔ایک گہری نظر اس پہ ڈال کے وہ سیدھا ہوا اور ادب سے باہر نکل گیا۔

فیونا کے جاتے ہی جواہرات نے کمرے کا دروازہ مقفل کیا اور پیکٹ ہٹایا۔نیچے چھوٹا سا سیاہ پیکٹ رکھا تھا۔اس نے وہ جلدی جلدی کھولا۔اندر ایک موبائل تھا۔اس نے اسکرین آن کی۔اسی پل کال آنے لگی۔

''احمر.....یہ کیا طریقہ تھا موبائل بھیجنے کا؟ اگر گارڈز چیک کر لیتے تو؟''

''تو میرا آدمی کہتا کہ یہ اس کا موبائل ہے۔آپ فکر نہ کریں۔کم از کم آپ سے رابطے کا کوئی ذریعہ تو ملا۔'' وہ دوسری طرف اطمینان کی

سانس بھر کے بولا تھا۔

''خیر.....یہ صحیح کیا تم نے۔میں تو بالکل قید ہو کر رہ گئی ہوں۔'' وہ واپس پیر پسار کے صوفے پہ بیٹھی اور تلخی سے فون میں بولے گئی۔

''میری ہر حرکت پہ نظر ہے ان دو ٹکے کے ملازموں کی۔''

''کیا کوئی ایک بھی ملازم آپ کا وفادار نہیں ہے۔''

''تم ہی ہو۔باقی یہاں تو سب یوں لگتا ہے مجھ سے کوئی پرانا انتقام لے رہے ہیں۔خیر' تم بتاؤ' میرے کام کا کیا بنا۔''

''ابھی تک نہیں ہو پایا۔'' احمر مایوسی سے کہہ رہا تھا۔''مگر آپ بے فکر رہیں میں جلد کر دوں گا۔'' جواہرات چونکی۔

''ابھی تک ہو جانا چاہیے تھا۔کہیں تم میری ساری رقم لے کر فرار ہونے کا تو نہیں سوچ رہے۔''

''توبہ کریں مسز کاردار۔'' وہ برا مان کے بولا تھا۔ ''میں آپ کا وفادار ہوں۔ آپ نے مجھے نوکری دی' مجھے عزت دی' میرے لئے ایک مضبوط اور پُر عزم mentor کا کردار ادا کیا' مجھے اتنا کچھ سکھایا' اور آپ کو لگتا ہے کہ میں اتنا احسان فراموش' گھٹیا اور کمینہ ہوں کہ آپ کی دولت اور زیورات لے کر بھاگ جاؤں گا؟'' وہ اب افسوس سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھ پہ اعتبار کیا ہے تو پورا کریں۔ مجھے وقت دیں اور بے فکر ہو جائیں۔ آپ کی ساری چیزیں بحفاظت آپ تک پہنچ جائیں گی۔ وہ آپ کی امانت ہیں' اور ان کو آپ تک پہنچانے کے لئے مجھے اپنی جان بھی دینی پڑی تو دے دوں گا' مگر اپنی کمٹمنٹ نہیں توڑوں گا۔'' آخر میں وہ جذباتی ہو گیا تھا۔ جواہرات کے ماتھے کی سلوٹیں ڈھیلی ہوتی گئیں۔ وہ نرمی سے مسکرائی۔

''مجھے تم پہ فخر ہے احمر' کیونکہ تم میرا انتخاب تھے۔ اگر قسمت مجھے مہلت دیتی تو میں آنے والے برسوں میں تمہیں تراشتی' تمہیں سکھاتی اور تمہیں ایک بہترین سیکیورٹی آفیسر بنا دیتی۔ خیر ایک دفعہ یہ ٹرائل گزر جائے' تو میں تمہیں واپس لے آؤں گی۔''

اور اپنے اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں بیٹھا احمر سر ہلاتا ہوا سن رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے فون کان پہ لگا رکھا تھا' اور دوسرے سے وہ میز پہ رکھے زیورات اٹھا اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔ پلاٹینم اور ہیروں سے جڑے زیورات کی چمک اس کی آنکھیں خیرہ کر رہی تھی۔

''آپ بے فکر رہیں۔ میں بہت جلد آپ کے زیورات اور نقدی لے آؤں گا' اور آپ کی امانت آپ کے حوالے کر کے سرخرو ہو جاؤں گا۔'' فون بند کر کے وہ ایک دفعہ پھر سے ان کونٹوئل کے دیکھنے لگا۔ پھر احتیاط سے میز پر رکھے سیاہ بیگ میں بھرنے لگا۔ بیگ میں پہلے سے چند نوٹوں کی گڈیاں' چیک بکس' ٹریولر چیکس رکھے دکھائی دے رہے تھے۔ اور ان کے اوپر وہ پلاسٹک میں سیل کر کے زیور ڈال رہا تھا۔

تبھی گھنٹی بجی۔ وہ چونکا' پھر تیزی سے بیگ میں سارا سامان بھرنے لگا۔ دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا۔ احمر کے ہاتھوں کی رفتار میں مزید تیزی آ گئی۔ پھر لاک کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے بیگ کی زپ بند کر کے جلدی سے اسے صوفے تلے دھکیلا اور فرش چیرو اٹھایا تو.... سامنے دروازہ کھول کے فارس اندر آ رہا تھا۔ احمر کی الٹی سانس بحال ہوئی۔

''تم....'' پھر غصہ آنے لگا۔ ''کسی مہذب آدمی کے گھر اس طرح تالہ توڑ کے داخل نہیں ہوتے۔ کوئی شرم ہوتی ہے' کوئی حیا ہوتی ہے' مگر تمہیں کیا پتہ وہ کیا ہوتی ہے۔''

فارس حسب معمول ماتھے پہ بل لئے' گرے شرٹ میں ملبوس' آستین ذرا چڑھائے چلا آ رہا تھا۔ اس کے سامنے آ کر رکا اور سنہری آنکھیں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

''رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟'' پھر اندرونی کمرے کے دروازے کو دیکھا۔ ''اندر کوئی ہے؟''

''نہیں یار۔ آؤ بیٹھو۔'' اس نے جھلا کے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ خود دانستہ کھڑا رہا۔ جس صوفے کے آگے کھڑا تھا اسی کے نیچے سیاہ بیگ رکھا تھا۔

''اتنی صبح صبح کون سی آفت آن پڑی تھی؟'' برے موڈ سے وہ کہتے اب خود بھی بیٹھ چکا تھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی تھی۔

''پی ایم ڈی سی کے ریکارڈ access کرنے ہیں' ائیر پورٹ پہ ایک گواہ ڈھونڈنا ہے' رات سے میسج کر رہا ہوں تمہیں۔ کہاں ہو تم؟'' فارس خفگی سے کہتا بار بار مشکوک انداز میں اس کو سر سے پیر تک دیکھتا تھا۔

''میں نے سعدی کو موقع دیا تھا۔ اس نے نہیں فائدہ اٹھایا۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔'' وہ ہاتھ مسلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ فارس کچھ لمحے سوچتا رہا' پھر ایک دم جھک کے نیچے سے کچھ اٹھایا اور اوپر لایا۔ احمر کا سانس رک گیا۔ وہ ایک سبز پاسپورٹ تھا۔

''تم کہیں جا رہے ہو' سلطان بخش؟'' پاسپورٹ کھولتے ہوئے اس نے نام پڑھا' پھر ابرو سے احمر کے صوفے تلے جھلکتے بیگ کی

طرف اشارہ کیا' جو اسے جاتے کیسے نظر آ گیا تھا۔ اعمر نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ "شہر سے باہر جا رہا ہوں' کچھ دن کے لئے۔"

"تو پاسپورٹ کس لئے؟"

"تم میری ماں ہو؟"

فارس نے پاسپورٹ میز پہ ڈال دیا اور سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو اعمر شفیع کی شناخت کا یہ اختتام تھا؟ تم کوئی لمبا ہاتھ مار کے بھاگ رہے ہو' ہے نا؟" پھر وہ مسکرایا۔ "اس بیگ میں ہوگا کسی کا لوٹا ہوا مال' ہے نا؟"

"دیکھو' میں تم لوگوں کی جتنی مدد کر سکتا تھا میں نے کی۔ لیکن اب مزید یہاں ٹھہرنا میرے مفاد میں نہیں ہے۔ مجھے اپنا بھی سوچنا ہوگا اور..."

"اشعلی ہم جس دن دوست بنے تھے میں جانتا تھا کہ تم ایک پیدائشی فراڈ ہو' اور میں نے تمہیں تمہاری ان کوالٹیز کے ساتھ قبول کیا تھا' اس لئے میرا خیال ہے تم درست فیصلہ کر رہے ہو۔" وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔ نہ کوئی ناراضی' نہ کوئی شکوہ۔ اعمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"تم نے اس شہر میں جتنے لوگوں کو مسز کاردار کی وجہ سے خفا کر لیا ہے' اس لحاظ سے تو تمہیں بہت پہلے یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔"

"سوری' میں مزید تم لوگوں کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔" وہ ہلکے سے افسوس سے بولا۔ فارس اداسی سے مسکرایا۔

"آدمی تم انتہائی گھٹیا ہو' مگر دوست اچھے ہو۔ جاؤ معاف کیا۔" اور وہ دونوں ہنس پڑے تھے۔

❖❖❖

تم سے پہلے جو شخص یہاں تخت نشیں تھا — اس کو بھی اپنے خدا ہونے پر اتنا ہی یقیں تھا

فوڈلی ایوراٹفر کی چھت کے عین اوپر آسمانوں پہ سورج سنہرے انگارے کی مانند دہک رہا تھا۔ بارش کے پانی کو اس نے سکھا دیا تھا۔ بالائی منزل کے خالی ہال کے کونے میں زمر اچی کرسی پہ بیٹھی ایک فائل کے مطالعے میں مصروف تھی۔ سامنے میز کے ساتھ لینڈ لائن کا ریسیور اٹھائے کھڑا جنید دوسری طرف جاتی گھنٹی سن رہا تھا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"مس علیمہ سیل نہیں اٹھا رہیں۔"

"گھر پہ فون کیا؟" زمر سر جھکائے فائل پہ کچھ لکھتے ہوئے بولی۔

"جی۔ انہوں نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ آفس فون کیا تو میری آواز سے آپ کا نام سن کے رکھ دیا۔ اب سیل ٹرائی کر رہا ہوں۔"

"اور جو خط میں نے اسے بھیجا تھا' اس کی وصولی کی رسید آ گئی؟"

"جی۔ آپ کی دراز میں رکھ دی تھی۔" جنید فون رکھ کے بتانے لگا۔

"تھینک یو جنید۔" پھر اس نے سر جھکائے کام کرتے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ "اس سے ٹرائی کریں۔"

جنید اب موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔ جیسے ہی دوسری طرف سے ہیلو سنائی دیا اس نے جلدی سے فون زمر کی طرف بڑھایا۔ زمر نے اسی مصروف انداز میں اسے کان سے لگایا۔

"علیمہ میں زمر یوسف بات کر رہی ہوں' آپ چند لمحے کے لئے میری بات سن لیں گی؟" اب وہ بولتے ہوئے کاغذ پہ لکیر لگا

رہی تھی۔

''میں آپ کے اسسٹنٹ کو بتا چکی ہوں کہ مجھے آپ لوگوں سے بات نہیں کرنی' میں اپنا بیان صرف عدالت میں دوں گی۔''

''حلیمہ مجھے آپ کو ڈرانا دھمکانا نہیں ہے' نہ ہی آپ کو اپنا بیان بدلنے پہ مجبور کرنا ہے' مجھے صرف آپ سے 21 مئی کی دوپہر کے متعلق چند سوالات پوچھنے ہیں' تاکہ میں کیس کو زیادہ اچھے سے سمجھ سکوں۔ کیا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتی ہیں۔''

''نہیں' مجھے کوئی بات نہیں کرنی' آپ قانوناً مجھے مجبور نہیں کر سکتیں۔'' وہ درشتی سے بولی اور فون رکھ دیا۔ زمر نے اسی مصروف انداز میں موبائل رکھ دیا اور اپنا کام کرنے لگی' جیسے اس سے زیادہ اسے اس معاملے میں دلچسپی نہ ہو۔

چند میل دور واقع اس بلند عمارت کے ٹاپ فلور کے کارنر آفس میں حلیمہ ہاشم کے سامنے بیٹھی تھی اور جھرجھری لے کر اپنا موبائل میز پہ رکھ رہی تھی۔ اور ہاشم مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔

کونے میں ایک اونچی میز پہ وہ بڑا سا ایکویریم مصنوعی روشنیوں میں چمکتا دمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ خوبصورت رنگ برنگی مچھلیاں اندر تیر رہی تھی۔ کھیل رہی تھیں۔ ڈبکیاں لے رہی تھیں۔

''اب' سر؟''

''اب کچھ بھی نہیں۔ اس سے تم نے بات نہیں کرنی اور اپنی تیاری مکمل رکھنی ہے۔ اب جو کہنا ہے عدالت میں کہنا ہے۔'' وہ ٹیک لگا کے بیٹھا تھا' اور کوٹ پیچھے اسٹینڈ پہ لٹکا رکھا تھا۔ بنے ہوئے بال' خوشبو میں بسا وجود' وہ مکمل تروتازہ اور ہشاش بشاش دکھ رہا تھا۔ شیرو کی پریس کانفرنس سے ہونے والے مالی نقصان کا شائبہ تک چہرے پہ نہیں تھا۔

''تیاری تو آپ نے مجھے کروادی ہے۔ 21 مئی کو سعدی یوسف ادھر نہیں آیا تھا' اور اس سے پہلے جو میں نے اس کو کالز کی تھیں' وہ بھی ذاتی وجہ سے کی تھیں۔'' وہ پُراعتماد تھی۔

''میں نے تمہیں Examination in Chief کی مشق کروائی ہے۔ اس کے بعد cross (جرح) ہوگی۔ وہ کراس کے ذریعے تمہیں جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرے گی۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

''اور میں کیا کروں گی پھر سر؟''

''بے وقوف وکیل وہ ہوتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ کراس کے دوران ان کا گواہ مخالف وکیل کو ہرا دے' اور اسے خود کو جھوٹا ثابت کرنے ہی نہ دے' مگر ایسا نہیں ہوتا۔ ہرانے والی باتیں ڈائریکٹ ایگزامینیشن میں کہنی ہوتی ہیں۔ کراس میں صرف سروائیو کرنا ہوتا ہے۔ دفاع کرنا ہوتا ہے۔ کم سے کم نقصان کرنا ہوتا ہے اپنا۔''

''اور میں اس کے سوالوں کا مقابلہ کیسے کروں گی؟'' اس کی آواز میں فکرمندی در آئی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''اور اچھا وکیل وہ ہوتا ہے جو اپنا کیس تو تیار کرے مگر ساتھ میں مخالف کا کیس بھی تیار کرے۔ کبھی کبھی میں اپنے مخالف کے لئے جتنے اچھے دلائل اور نقطے ڈھونڈ کر لکھتا ہوں' کورٹ روم میں وہ اتنے اچھے نقطے پیش نہیں کرتے۔ خیر' اب میں زمر کی طرف سے پوچھے جانے والے سوالات بتاتا ہوں تمہیں۔'' وہ اب میز کے کونے پہ آ بیٹھا تھا اور سامنے بیٹھی توجہ سے سنتی حلیمہ سے کہہ رہا تھا۔

''مِس حلیمہ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ نے اس تاریخ کو اس وقت سعدی یوسف کو کال کی تھی؟

کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ پچھلے کئی سال سے اس فرم میں ملازمت کر رہی ہیں اور ہمیشہ اپنے مالک کا ساتھ دیتی آئی ہیں' اور اب بھی اس کے لئے جھوٹ بول رہی ہیں۔ ایسے سوالات پہ میں اعتراض کروں گا' تو وہ ٹون بدل کے یہی سوال مختلف انداز میں پوچھے گی۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ نے ہاشم کاردار کی کمپنی سے قرضہ لے رکھا ہے جو قسطوں میں ادا کرنا ہے۔ اور آپ ان کے احسان تلے دبی ہوئی ہیں۔

کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ رات دیر تک آفس میں کام کرتی ہیں اور آپ کی اپنے باس سے کافی فرینک نیس ہے؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ کے اپنے باس سے تعلقات ہیں؟''

''کیا وہ اس طرح کا الزام بھی لگا سکتی ہیں؟'' اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''عدالت میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ اسے تمہیں جھوٹا ثابت کرنا ہے' اس لئے وہ سخت سے سخت زبان استعمال کرے گی' تلخ انداز اپنائے گی' تیز تیز سوالوں کی بوچھاڑ کر کے تمہیں کنفیوژ کر دے گی۔ اس لئے اب میں تمہیں ان سوالوں کے جوابات کی مشق کروانے لگا ہوں۔ او کے!'' وہ اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

''شیور سر!'' حلیمہ ذرا ٹھہری پھر آنکھیں اٹھا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''سر' ایک بات پوچھوں؟''

''یہی کہ میں نے اور شیرو نے یہ سب واقعی کیا ہے یا نہیں؟''

حلیمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں' میں نے یہ کیا ہے' اور مجھے دس بار موقع ملے تو میں دس بار یہ کروں گا۔ اب ہم پریپ کر لیں؟''

حلیمہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ جھٹ اثبات میں سر ہلا کے ''یس سر!'' بولی تھی۔ وہ اب کاغذ اٹھا کے سوالات پھر سے دہرانے لگا تھا۔ چہرہ سپاٹ اور مطمئن تھا۔

واپس فوڈ لی ایور آفٹر کی بالائی منزل پہ آؤ تو زمرا سی انداز میں بیٹھی نوٹ پیڈ پہ سوالات لکھے جا رہی تھی۔ سامنے کھڑے جنید نے بے چینی سے پوچھا۔ ''ان کی سیکرٹری تو ملنے پہ راضی ہی نہیں ہوئی' اب آپ اس کا بیان اپنے حق میں کیسے کروائیں گی؟''

''مجھے جرح کے دوران گواہ کو سوالات سے مار دینے کا فن آتا ہے' جنید' آپ اپنا کام کیجئے۔'' وہ اب بھی سر جھکائے لکھے جا رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

ذرا سی دیر کا ہے یہ عروج مال و منال ..... ابھی سے ذہن میں سب زاویئے زوال کے رکھ

''قتل سے تین دن قبل۔''

قصرِ کاردار کا سبزہ زار اس شام برقی قمقموں اور روشنیوں سے منور تھا۔ اونچے درختوں کے گرد روشنیاں لپیٹ کر ان کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ مرکزی اسٹیج پہ فنڈ ریزنگ تقریب کے بعد اب گلوکارا اپنے ساتھیوں سمیت نیچے بیٹھا' غزل گا رہا تھا۔ ایسے میں جواہرات یہاں سے وہاں ٹہلتی' مسکرا مسکرا کے مہمانوں سے چند پل ٹھہر کے گپ شپ کر رہی تھی۔ سیاہ جھلملاتی ساڑھی اور نگینوں سے مزین وہ بے حد تر و تازہ اور خوبصورت دِکھ رہی تھی۔ اور اس اچھے موڈ کو برقرار رکھنے کے لئے وہ قریب ٹہلتے دونوں گارڈز کو دیکھنے سے خود کو باز رکھے ہوئے تھی۔

محفلِ موسیقی ابھی جاری و ساری تھی جب جواہرات برآمدے کے زینے عبور کر کے اندر جاتی دکھائی دی۔ جیسے کوئی بھولی چیز اٹھانے جا رہی ہو۔

لاؤنج کا دروازہ کھول کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ ٹھٹھک گئی۔ وہاں چند ہی لوگ تھے جو یا تو موبائل پہ لگے صوفوں پہ نیم دراز تھے' یا ٹی وی دیکھ رہے تھے' مگر دیوار کے سامنے کھڑی عورت کو دیکھ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ قدم ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے اس کو نہیں بلایا تھا تو پھر.....؟

وہ سفید چادر سر پہ جمائے' اس کی طرف پشت کیے کھڑی دیوار پہ نصب فوٹو فریمز دیکھ رہی تھی۔ فریمز ڈیجیٹل تھے' ان کے اندر تصاویر ہیری پوٹر کی دنیا کی طرح چل پھر رہی تھیں۔ چند چند سیکنڈز کے ویڈیو کلپس اور پھر سلائیڈ شو۔ دس منٹ کھڑے ہو کر دیکھو تو ہاشم اور شیرو

کی ساری زندگی کی تصویری کہانی سامنے آجاتی تھی۔صاحبزادی صاحبہ بھی وہی دیکھ رہی تھی۔آہٹ پہ پلٹی۔گوری رنگت اور گہری آنکھیں۔مسکرا کے جواہرات کو دیکھا۔

جواہرات سست روی سے قریب آئی۔

''خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کر۔اگر آنا چاہتی تھیں تو مجھے کہلوا دیتیں۔میں دعوت نامہ بھجوا دیتی۔''جبری مسکراہٹ کے ساتھ کہتی وہ اس کے عین سامنے آکھڑی ہوئی۔چادر والی عورت ذرا سا مسکرائی۔

''لوگ اب مجھے خوشی سے دعوتوں میں نہیں بلاتے جواہرات۔جب سے تمہارے اس پالتو نے میری زندگی کی جھوٹی کہانیاں زبان زدِ عام کی ہیں'لوگ مجھے پسند نہیں کرتے۔''

''میں سمجھی نہیں۔آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''جواہرات حیرت سے بولی تھی۔

''تمہیں نہیں پتہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

''آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔آپ کے اس اسکینڈل سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

عورت نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی'پھر ٹھنڈی سانس بھر کے مڑ گئی۔اور گردن ذرا اٹھا کے اوپر تک پھیلے فوٹو فریمز کو دیکھنے لگی۔

''تمہارے دونوں بیٹے کتنے خوبصورت ہیں ماشاءاللہ۔ایک دنیا تم پہ رشک کرتی تھی'حسد کرتی تھی'مگر پھر اسی دنیا نے دیکھا کہ تمہارے بیٹے نے تمہیں کاروبار سے بے دخل کر دیا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ تلملا کر بولی۔مگر عورت بولے جا رہی تھی۔''اور جب عدالت میں ایک چھوٹی سی لڑکی تمہاری عزت کا تماشہ بنا کے چلی گئی تو مائیک تمہارے چہرے کے آگے کرتے رپورٹرز کے سامنے تمہارا کوئی بیٹا ڈھال بن کے نہیں آیا۔''

''بہت ہو گیا'آپ یہاں سے جا سکتی ہیں۔''وہ دبا دبا سا غرائی تھی۔

''ٹھہرنے آئی بھی نہیں تھی میں۔''وہ اب پوری اس طرف گھومی اور جواہرات کی سلگتی آنکھوں میں جھانکا۔''صرف یہ بتانے آئی تھی کہ مجھے اسی وقت کا انتظار تھا۔کبھی لگتا تھا اس کو آنے میں برسوں لگیں گے'مگر یوسفز کا شکریہ'یہ تو جلد آ گیا۔''

''گیٹ آؤٹ!''وہ لال بھبھوکا چہرہ لئے دروازے کی طرف بازو لمبا کر کے بولی۔

''جواہرات!''سفید چادر والی عورت دو قدم قریب آئی اور تاسف سے اس کا چہرہ دیکھا۔''آج کل تمہاری تباہی میں سب اپنا اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔تمہارے بیٹے'یوسفز'ہارون عبید'سب سیر ہو کر اپنا حصہ ڈال لیں'تب بھی میرا حصہ پورا نہیں ہوگا۔تمہاری آنکھوں میں دیکھ کے بس اتنا کہنا تھا کہ آخری حصہ میں ڈالوں گی'اور تم اسے یاد رکھو گی۔''پھر وہ اس کے ساتھ سے نکل کے چلی گئی اور جواہرات غصے اور بے بسی سے کانپتی کھڑی رہ گئی۔باہر سے اونچے سروں میں بجتی موسیقی کی آوازیں ہنوز سنائی دے رہی تھیں۔

لاؤنج کے مہمانوں کو یہیں چھوڑ کے بغلی راہداری میں آگے آؤ تو سامنے زینے تھے جو نیچے جاتے تھے۔ان کو پھلانگ کر اترتے جاؤ تو آگے ایک طویل راہداری تھی۔دونوں اطراف میں کھلے دروازے تھے جو ملازموں کے کمروں میں کھلتے تھے۔مزید آگے آؤ تو آخر میں کچن تھا۔قصر کی پشت پہ سبزہ زار نشیب میں تھا'اس لئے گو کہ کچن بیسمنٹ میں بنا لگتا تھا'مگر اس کی پچھلی طرف سبزہ زار میں ہی کھلتی تھی۔

کچن کے کھلے دروازے سے اندر جھانکو تو وہاں ملازم ندارد تھے۔صرف دو نفوس موجود تھے۔ایک ہاشم جو کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا تھا اور بلینڈر کے جگ میں کٹے ہوئے پھل کین سے نکال کے انڈیل رہا تھا۔شرٹ کے آستین پیچھے کو موڑ رکھے تھے'اور کوٹ سامنے کرسی کی پشت پہ ڈال رکھا تھا۔اور دوسری آبدار جو کاؤنٹر کے اس طرف اونچے اسٹول پہ بیٹھی اسے سکون سے دیکھ رہی تھی۔نہ کوئی ڈر تھا نہ کوئی خوف۔عادتاً وہ

کان میں لٹکتے آویزے کو دو انگلیوں سے مسل بھی رہی تھی۔ آویزے سبز تھے' اس کے لباس اور آنکھوں کی طرح' اور سرخ رومال ماتھے سے اوپر بندھا تھا۔ نظریں ہاشم کی پشت پہ جمی تھیں۔

''میں چاہتا تھا ہم ڈنر کریں' مگر تم اسی پارٹی میں ڈنر ایڈجسٹ کرنا چاہتی ہو تو میں یہی کر سکتا ہوں۔'' وہ اب بلینڈر کا ڈھکن بند کر کے' اس پہ ہاتھ رکھے' بٹن آن کر رہا تھا۔ یکدم زوں کی آواز آئی تو آبدار کچھ کہتے کہتے رکی۔ پھر بلینڈر رکا تو وہ بولی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا گریم ریپر اتنا ماہر بارٹینڈر بھی ہے۔''

ہاشم دھیرے سے ہنسا۔ زخمی سی ہنسی۔ سر جھکائے وہ ابھی تک بلینڈر کے ساتھ لگا تھا۔

''زیادہ نہیں' مگر تھوڑا بہت آتا ہے۔ اب تو لگتا ہے کہ جو سیکھا تھا' وہ بھی بھول گیا۔'' آواز میں آنچ تھی۔

''تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟'' آبی کی آواز ذرا مدھم ہوئی۔ نظریں سامنے کھڑے ہاشم پہ جمی تھیں۔ وہ چوکنی تھی مگر خوفزدہ نہیں تھی۔

''جب میں چھوٹا تھا تو مجھے ایک بری عادت پڑ گئی تھی۔'' وہ اب اوپر بنے اسٹینڈ میں الٹے لٹکتے گلاس نکال کے کاؤنٹر پہ رکھ رہا تھا۔ نظریں آبی کی بجائے اپنے کام پہ تھیں۔ ''مجھے جب کوئی کھلونا پسند آتا' کوئی کتاب اچھی لگتی' میں اسے لینے کی ضد کرتا' روتا جھگڑتا' بس کسی طرح وہ مجھے مل جائے۔ ڈیڈ کو یہ بات سخت ناپسند تھی۔ کچھ عرصہ انہوں نے برداشت کیا' پھر ایک دن انہوں نے مجھ سے میری ساری جمع کی ہوئی کوائن کولیکشن لے لی۔'' اب وہ گردن جھکائے جگ سے گلاسوں میں رس انڈیل رہا تھا۔ ''اور انہوں نے کہا کہ محبوب شے کو چھین کر لینے' یا چرانے سے چیز تو مل جائے گی' مگر محبت ختم ہو جائے گی۔ جن سے محبت ہوتی ہے ان کو مجبور نہیں کیا جاتا۔ ان کو earn کیا جاتا ہے۔ انہوں نے وہ البم کہیں چھپا دیا تھا' مجھے چند پہیلیاں بتائیں' یاد نہیں کیا تھیں' مگر میں نے پھر اس کو خود ڈھونڈا' شاید کسی دوست کو دے آئے تھے' میں نے اس آدمی کو کنوینس کیا کہ وہ مجھے وہ البم دے دے۔ شائستگی سے' نرمی سے' دلیل سے۔ اور وہ مجھے مل گئی۔ شیرو میں ڈیڈ کبھی یہ عادت نہیں ڈال سکے۔ مجھ سے کبھی نکال نہیں سکے۔ اب مجھے فتح کو محنت کر کے حاصل کرنا اچھا لگتا ہے ریڈ' یہی وجہ ہے کہ چاہوں تو سعدی یوسف کے سارے خاندان کو ایک بم بلاسٹ میں ختم کر دوں مگر نہیں' مجھے اپنے بھائی اور اپنے خاندان کے حق میں فیصلہ ''حاصل'' نہیں کرنا' بلکہ ''جیت'' کے آنا ہے۔''

آبدار کے چہرے کے کئی رنگ بدلے' بالی کو مسلتے ہاتھ میں تیزی آ گئی۔ وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''میرے اور تمہارے راستے الگ ہیں۔''

''اونہوں۔ ابھی نہیں۔'' اس نے ایک گلاس آبی کے سامنے رکھا' اور دوسرا اپنے سامنے۔ پھر بیٹھا نہیں۔ ہتھیلیاں کاؤنٹر پہ رکھے وہ اسے نرم سے زخمی پن سے دیکھے گیا۔ ''ابھی تمہارے پاس چند دن ہیں۔ اس کے بعد تم جو بھی فیصلہ کرو گی' مجھے قبول ہو گا۔''

''تم نے جو اس روز مجھے ٹیکسٹ بھیجے تھے' ان کا کیا مطلب تھا؟'' اس نے جی کڑا کے پوچھا۔ ہاشم اسی طرح اس کی آنکھوں میں جھانکے گیا۔

''مطلب تو صاف ظاہر تھا۔ میں نے تمہاری اور فارس کی ایک تصویر دکھا کے پوچھا تھا کہ کیا یہ سچ ہے؟ تم نے جواب نہیں دیا تو میں نے دو تصویریں بھیج کر یہ بتایا تھا کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ وہ دو تصویریں زرتاشہ اور زمر کی تھیں۔''

''زمر کی کیوں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ (پرس میں رکھے اس کے فون کی اس چیٹ میں سے اس نے ''کیا یہ سچ ہے'' والا پیغام اور زرتاشہ اور زمر کی تصویر مٹا دی تھی' صرف ''وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا'' والا پیغام اور اپنی اور فارس کی تصویر رہنے دی تھی۔ اسی طرح اس نے وہ چیٹ فارس کو دکھائی تھی۔)

''تم جلد جان جاؤ گی' میں نے کہا نا' مجھے ایسے کھیل پسند ہیں۔ کیا تم نے فارس کو بتایا؟'' گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے اس نے

مسکرا کے پوچھا۔

''یہی کہ تم نے زمر کو دھمکی دی ہے؟ ہاں بتایا تھا۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کر اپنے گلاس سے گھونٹ بھرنے لگی۔ دل زور سے دھڑکا۔

''گڈ۔'' ہاشم مسکرایا۔ زخم زخم مسکراہٹ۔

''وہ مشہور ہو چکے ہیں' تم ان میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے ہاشم!'' وہ اسی بے نیازی سے بولی تھی۔

''میں ہمیشہ سے unpredictable رہا ہوں۔'' اس نے شانے اچکائے اور گلاس اٹھالیا۔

''مجھے کیوں بلایا ہے؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''یہ بتانے کے لئے کہ میں تمہیں حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ جیتنا چاہتا ہوں۔ اس کی اصلیت دکھانا چاہتا ہوں' اور....'' ہتھیلیاں کاؤنٹر پہ رکھے اس کی طرف جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''اور تمہاری اصلیت سے بھی واقف ہوں۔''

آبدار کی رنگت سفید پڑنے لگی۔ ہاشم پہ جمی نظریں ساکت ہو گئیں۔ ''تم نے میرے مقابلے میں فارس کا ساتھ دیا.... سعدی کو زہریلی سرنج دی.... اس کی فرار میں مدد کی.... فارس کو اپنے ساتھ لے کر گئیں.... تم نے ہر قدم پہ مجھ سے جھوٹ بولا اور میں ہر قدم پہ تم پہ اعتبار کرتا رہا۔''

آبدار کی گردن میں تھوک نگلنے سے گلٹی ابھر کے معدوم ہوتی دکھائی دی۔

''کیوں کیا تم نے یہ آبی؟'' وہ دُکھ سے پوچھ رہا تھا۔ ''اس کو مجھ سے اوپر کیوں رکھ دیا؟''

''میں.... صرف ایڈونچر چاہ رہی تھی۔'' وہ ذرا سا ہکلائی۔

''تو پھر اب میرا ایڈونچر بھی دیکھنا۔''

''مجھے نقصان.... نقصان دو گے کیا؟''

''تمہیں؟ کبھی نہیں۔ مگر اسے کہنا کہ وہ.... اپنے خاندان کی.... عورتوں کی.... حفاظت نہیں.... کر سکتا!'' چبا چبا کے ایک ایک لفظ ادا کیا' پھر سیدھا ہوا' کاؤنٹر کے پیچھے سے نکلا' کوٹ اٹھایا اور باہر چلا گیا۔ اس کا گلاس اَن چھوا بھرا ہوا میز پہ رکھا رہ گیا۔

آبدار ابھی تک ٹھنڈے گلاس کو پکڑے ہوئے بیٹھی تھی۔ مشروب کی ٹھنڈک نے اس کی ہڈیوں کو اندر تک جما دیا تھا۔

.....❖❖❖.....

تیرگی نے کماں سنبھالی ہے ..... چاند اور کہکشاں کدھر جائیں!

رات اس اپارٹمنٹ بلڈنگ پہ پر پھیلائے' اس کے سارے بھید ڈھانکے ہوئے تھی۔ اپارٹمنٹ کے اندر نیم اندھیرا سا تھا۔ اوپن کچن کی بتی جل رہی تھی' یا پھر احمر کے کمرے کا نائٹ بلب۔ وہ بیڈ پہ لمبا لیٹا' موبائل دونوں ہاتھوں میں لئے ٹھک ٹھک ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ ساتھ میں جمائی روکنے کو منہ پہ ہاتھ بھی رکھتا۔ یہ تو طے تھا کہ نیند تب آنی تھی جب بیٹری ختم ہو جاتی' سو وہ بنا کسی فکر کے لگا ہوا تھا۔

فیس بک پہ مختلف لوگوں کی زندگیوں میں جھانکتا وہ صفحہ نیچے کرتا جا رہا تھا جب باہر آہٹ سی محسوس ہوئی۔ پہلے وہ چونکا' پھر کسی خیال کے تحت گہری سانس بھری اور تیزی سے بستر سے نیچے اترا۔

''شریف لوگوں میں کوئی تمیز تہذیب ہوتی ہے' فارس غازی۔ چاہے آپ کا بیسٹ فرینڈ بھی ہو تو اس کے گھر یوں بنا پوچھے نہیں داخل ہو جاتے۔'' سلیپر پہنتے ہوئے وہ زور سے چلایا تھا۔ پھر دروازہ کھولا اور باہر نکلا۔

''میرے گھر کے باہر لگی گھنٹی شکل دیکھنے کے لئے نہیں لگی۔ اس پہ انگلی رکھ کے اسے بجایا جاتا ہے غازی۔ آخر کب سیکھیں گے آپ؟ کیا تیسری دفعہ جیل جانے کے بعد؟'' غصے سے بولتا وہ لاؤنج میں آیا اور بتی جلائی۔

لاؤنج سنسان پڑا تھا۔ کچن کی بتی ہنوز جل رہی تھی۔ مرکزی دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ احمر قدرے چوکنا سا آگے آیا۔ احتیاط سے دروازہ پورا کھولا۔ باہر لابی خالی تھی۔ سنسان۔ ویران۔ اسے نئے سرے سے غصہ آیا۔

''کیا تلاشی لینے آئے ہو غازی؟'' بے زاری سے زور سے دروازہ بند کر کے لاک کیا اور جیسے ہی واپس مڑا' کوئی نوکیلی سی شے اس کی گردن میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ لڑکھڑا کے پیچھے ہٹا۔ اثر تیز تھا۔ فوری تھا۔ بصارت دھندلاتی گئی مگر اتنا نظر آیا کہ سامنے دو ہٹے کٹے آدمی کھڑے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں بریٹا پستول تھے۔ احمر پوری قوت لگا کے مڑا اور دروازے کی طرف بھاگا۔ دو قدم بعد ہی اسے ٹھوکر لگی.... اور وہ اوندھے منہ فرش پہ آن گرا.... اُٹھنے کی کوشش کی مگر اس کا جسم سُن ہوتا جا رہا تھا.... بصارت دھندلی ہو رہی تھی اور ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا.....

❖❖❖

ہم کو ہر دور کی گردش نے سلامی دی ہے ..... ہم وہ پتھر تھے جو ہر دور میں بھاری نکلے

''قتل سے دو دن قبل۔''

پارکنگ ایریا عمارت کی بیسمنٹ میں بنا تھا اور دوپہر کے باوجود اندھیر پڑا تھا۔ گو کہ مدھم سفید بتیاں روشن تھیں مگر عجب ہولناکی سی چھائی تھی۔ ایسے میں ایک ادھیڑ عمر آدمی سامنے سے چل کر آتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بوٹس کی دھمک سناٹے کو چیر رہی تھی۔ تیز تیز قدم اٹھاتا وہ قطار میں کھڑی گاڑیوں تک آیا' اور جیب سے چابی نکالتے ایک سفید کار کے قریب رکا۔

تبھی اس کے پیچھے آہٹ سی ہوئی۔ قدموں کی چاپ۔ جیسے کوئی کسی ستون کی اوٹ سے نکلا ہو۔ ریموٹ کا بٹن دبا کر کار کو اَن لاک کرتے اس نے مڑ کے یونہی دیکھا تو ٹھہر گیا۔

ستون کے ساتھ کھڑا نوجوان جیبوں میں ہاتھ ڈالے' فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مدھم اندھیرے' مدھم روشنی کے ملے جلے ماحول کے باعث ادھیڑ عمر آدمی نے آنکھیں سکوڑ کے دیکھا۔ وہ چہرہ شناسا لگتا تھا' مگر کون....؟

''جب میں ٹین ایج میں تھا تو میں نے ایک ریسرچ پڑھی تھی۔ اس کے مطابق بچہ اپنی پیدائش سے لے کر پہلے چھے ماہ تک بلیک اینڈ وائٹ دیکھتا ہے' اسے رنگ نظر نہیں آتے۔ بائی داوے میں سعدی یوسف ہوں' اور آپ ایئر پورٹ سیکیورٹی میں موجود وہ آپریٹر ہیں جن کو کل صبح عدالت سمن جاری کرے گی۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ....'' قصہ سناتے رک کے سینے پہ ہاتھ رکھے اس نے اپنا تعارف دیا' اور پھر بات جاری رکھی۔ ''چند سائنسدانوں کی ایک تحقیق کے مطابق انسان پہلے چھے ماہ تک بلیک اینڈ وائٹ دیکھتا ہے۔ لیکن اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو ہم ایک عمر تک بلیک اینڈ وائٹ ہی دیکھتے رہتے ہیں۔ بچپن میں' اور پھر ٹین ایج میں ہر انسان بلیک یا وائٹ لگتا ہے ہمیں۔ bad guys اور good guys۔ نیک لوگ۔ گناہ گار لوگ۔ ہم اگر کسی ایکٹر' اسکالر' یا سیاستدان سے محبت کرنے لگیں تو اس کو ایسا سفید مجسمہ بنا دیتے ہیں کہ اس میں خامی نظر نہیں آتی' اور جب خامی دیکھ لیں تو اسے دیکھنا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن مسعود صاحب' جب ہم میں سے اکثر لوگ میری عمر کو پہنچتے ہیں تو جان پاتے ہیں کہ یہاں نہ کوئی سفید ہے' نہ سیاہ۔ سب سرمئی ہیں۔ کوئی گہرا سرمئی۔ کوئی ہلکا سرمئی۔ کوئی مٹیالہ' کوئی کم گدلا۔ مگر بے داغ کوئی نہیں ہے۔'' مسعود ادھیڑ بن میں کھڑا ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ چابی ہاتھ میں تھی اور نظریں اس پہ ٹکی تھیں۔ سعدی بولتے بولتے قریب آنے لگا۔ قدموں کی چاپ نے پھر سے خاموشی کو چیرا۔

''لوگ کہتے ہیں۔ ہماری choices ہمیں define کرتی ہیں۔ وہ انتخاب جو ہم کرتے ہیں' وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ ہم ہلکے سرمئی ہیں یا گہرے سرمئی' اس کا فیصلہ وہ کام کرتے ہیں جو ہم نے کیے ہوتے ہیں' مگر نہیں۔'' وہ اب اس کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا تھا' اور نفی میں سر ہلا کے اس کی آنکھوں میں جھانک کے کہہ رہا تھا۔

''میں نے دو انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔ میرے مدِ مقابل جو شخص ہے' اس نے میرے خاندان کے دو انسانوں کو قتل کروایا ہے۔ یہ وہ انتخاب ہیں جو ہم دونوں نے کیے۔ کیا یہ ہمیں ڈیفائن کر سکتے ہیں؟ ہمیں ڈسکرائب کر سکتے ہیں؟'' سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کے وہ بولتا رکا۔ ''نہیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے ہمارے اچھے یا برے ہونے کا تعین ہمارے چنے گئے راستے نہیں کرتے' بلکہ وہ راستے کرتے ہیں جو ہم نے نہیں چنے ہوتے۔ وہ فیصلے' وہ انتخاب کرتے ہیں جو ہم نے میسر ہونے کے باجود نہیں لئے ہوتے۔ ہاشم کاردار نے دو انسانوں کو قتل کرنے کا ''انتخاب'' کیا' مگر اس کے پاس دوسرے راستے بھی تھے۔ نیب میں کیس لڑتا اور خود کو بری کروالیتا' یا پھر اگر فیصلہ اپنے خلاف آتا تو پلی بارگین کر لیتا۔ پیسے واپس کرتا' اور رہائی مل جاتی۔ یا پھر وارث غازی پہ چند الزامات لگوا کے اس کو جاب سے نکلوا دیتا۔ یا پھر دہشت گردوں کے خلاف وعدہ معاف گواہ بن جاتا اور اس کو فوج خود پروٹیکشن دیتی' یہ وہ راستے تھے جو اس نے نہیں چنے۔ اس نے قتل کا راستہ چنا۔ مگر جب میں نے دو قتل کیے تو میرے پاس دوسرا راستہ یہی تھا کہ خود کو مرنے دوں۔ میں نے اپنی جان بچائی۔ سروائیول کو چنا۔ ان دونوں آدمیوں کو قتل کر دینے کو چنا' بہ نسبت ہلاکت کے دوسرے راستے کے۔ آپ مجھے اور ہاشم کو ایک ہی ترازو میں نہیں تول سکتے۔ کیونکہ اس کے پاس آپشنز تھے' میرے پاس نہیں تھے۔ اسی لئے میں یہاں آپ کو کچھ کہنے آیا ہوں!''

آدمی نے شانے اچکائے' جیسے نا سمجھی سے پوچھا ہو کہ ''کیا؟'' اس کی چابی ابھی تک ہاتھ میں تھی' اور ہاتھ بیچ ہوا کے رکا ہوا تھا۔

''عین ممکن ہے کہ اگلی پیشی پہ آپ کو پیش ہونا ہو۔ درمیان میں جتنے دن آئیں گے' ان میں ہاشم کاردار آپ کو اپروچ کر کے آپ کو خریدنا چاہے گا۔ وہ آپ کو بہت سے راستے دکھائے گا۔ چناؤ کے لئے بہت سے انتخاب۔ میں آپ سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں گے' اور جو فیصلہ آپ نہیں کریں گے' وہ ساری زندگی کے لئے آپ کے کردار کا تعین کرے گا۔ آپ کیسے انسان بننا چاہتے ہیں' آپ کیسے مسلمان رہنا چاہتے ہیں اور آپ کیسے پاکستانی بن کر دکھانا چاہتے ہیں' اس سب کا فیصلہ آپ کا وہ انتخاب کرے گا جو آپ نہیں لیں گے۔ ساری زندگی مسعود صاحب وہ آپ کو haunt کرے گا۔ کبھی پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے کورٹ میں آیئے گا تو سچ بولیے گا۔ اگر آج جھوٹ بول دیا نا' تو ساری زندگی آپ خود بھی اپنے کسی سچ پہ اعتبار نہیں کر سکیں گے۔ جھوٹے لوگوں کی ایک بہت بڑی سزا یہ ہوتی ہے کہ ان کو اپنی باتوں اور دعووں پہ خود بھی یقین نہیں آتا۔ کہہ کے بھول جاتے ہیں' اور بھول کے کہہ جاتے ہیں۔'' پھر وہ خاموش ہوا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ اس آدمی نے سر جھٹکا اور اپنی کار کی طرف مڑ گیا۔ دروازے کو ہینڈل سے باہر کھینچتے اس نے پھر سے مڑ کے دیکھا۔

پارکنگ ایریا سنسان پڑا تھا۔ ستون نیم اندھیر نظر آ رہے تھے۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

❖❖❖

کبھی منظر بدلنے پر بھی قصہ چل نہیں پاتا ..... کہانی ختم ہوئی ہے کبھی انجام سے پہلے

کچہری کی راہداری میں وہی دانتے کی جہنم جیسا رش' شور اور افراتفری کا عالم تھا۔ ایسے میں کمرہ عدالت کے دروازے کے باہر کھڑا سعدی شہزاد کو سمجھانے کے لئے قدرے اونچی آواز میں بول رہا تھا۔ ''مجھے بہت خوشی ہے کہ تم نے اپنی امی کو سپورٹ کیا ہے اور وہ گواہی دے رہی ہیں۔'' انداز میں تشکر تھا۔ بیساکھی تھامے کھڑا لڑکا سر کو بار بار ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''صحیح۔ صحیح۔''

''اب اندر چلتے ہیں۔'' سعدی نے اس کو اشارہ کیا اور پھر یکے بعد دیگرے وہ دونوں آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہاں کسی کلاس روم کی طرح کی خاموشی چھائی تھی۔ جج صاحب خاموشی سے کٹہرے میں کھڑی خاتون کو دیکھ رہے تھے' جس نے سر پہ دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اور وہ سامنے کھڑی زمر کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔ اس کے نقوش اپاہج لڑکے کی مانند بنگالی سے تھے' اور رنگت گہری سانولی۔ سعدی اس کو لئے پچھلی کرسی پہ آ بیٹھا۔ آج فارس نہیں آیا تھا' البتہ.... سعدی نے گردن موڑ کے دیکھا.... قریب میں چشمے والا آدمی خاموشی سے بیٹھا ساری

کارروائی دیکھ رہا تھا۔اس کو دیکھ کر عجیب سی الجھن ہوتی تھی۔

''مسز عصمت' آپ کو پورا یقین ہے کہ آپ نے آپریٹر مسعود عالم کو یہ کہتے سنا تھا؟'' زمر پوچھ رہی تھی۔

''جی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میں نے یہی الفاظ سنے تھے جو میں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ جب آپ لوگ سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھنے آئے تھے تو آپ کے جانے کے بعد وہ اپنے ایک کولیگ سے کہہ رہے تھے کہ فکر کی کوئی بات نہیں' انہوں نے کاردارز کے لڑکے کی فوٹیج ہینڈل کر لی تھی پہلے ہی۔''

''اور ہینڈل کرنے سے ان کی مراد ڈیلیٹ کرنا تھا؟''

''آبجیکشن۔ گواہ سے رائے مانگی جا رہی ہے۔'' وہ پیچھے سے اکتا کے بولا تھا۔ زمر امپریشن بنا چکی تھی سو'' میں سوال واپس لیتی ہوں۔'' کہہ کر واپس مڑ گئی۔

ہاشم فوراً سے تاثرات بدل کے' مسکراتا ہوا اٹھا' کوٹ کا بٹن بند کیا' اور کٹہرے کے سامنے آیا۔

''مسز عصمت۔'' مسکرا کے اس کو مخاطب کیا۔'' کیا آپ نے مسعود عالم صاحب کو مجھ سے یا میرے خاندان کے کسی فرد سے بات کرتے سنا؟''

''نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''کیا آپ نے ان کو نوشیرواں کاردار کا نام لیتے سنا؟''

''نہیں مگر انہوں نے کاردارز کا لڑکا کہا تھا اور....''

ہاشم نے جیب سے ہزار روپے کا نوٹ نکالا اور اس کے سامنے کیا۔

''اس پہ گورنر اسٹیٹ بینک شاہد کاردار کے دستخط موجود ہیں۔ کیا آپ کو کبھی یہ خیال آیا کہ ہم اس ملک کے واحد کاردار نہیں ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن انہوں نے یہ بات ان کے (زمر کی طرف اشارہ کیا) جانے کے بعد کی تھی۔''

''اور اس بات کو کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟'' نوٹ واپس جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔

''تین ماہ' شاید۔''

''اور ان تین ماہ میں آپ نے کبھی مسعود صاحب کی شکایت اوپر کی؟''

''میں نے کی تھی' لیکن کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔''

''آف کورس آپ نے کی تھی۔'' وہ مڑا اور اپنی میز سے چند کاغذ اٹھائے اور جب واپس عصمت بی بی کی طرف گھوما تو لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔'' اور اس سے پہلے آپ ڈیپارٹمنٹ میں تین مختلف لوگوں کی شکایت کر چکی ہیں۔ اور ان میں سے ایک کے خلاف کارروائی کی گئی تھی' نام یاد ہے آپ کو ان کا؟''

''آبجیکشن یور آنر۔ مسز عصمت کے ریکارڈ کا گواہی سے کیا تعلق ہے؟''

''اوور رولڈ۔ جواب دیجئے۔'' جج صاحب نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

''طارق محمود۔'' عصمت کی آواز پست تھی۔

''جی بالکل۔ طارق محمود صاحب جن کے خلاف آپ نے ہراس منٹ ایٹ ورک پلیس کی شکایت کی تھی اور ان کو معطل کر دیا گیا تھا' اور.....اوہ واؤ....اور ان کی سیٹ کا چارج آپ سنبھالتی ہیں نا آج کل۔''

''آبجیکشن یور آنر۔'' زمر بے زاری سے کھڑی ہوئی۔'' کاردار صاحب گواہ کی کردار کشی کر رہے ہیں۔''

''اوور رولڈ مسز زمر۔عدالت کو ان کا جواب سننے دیجئے۔جی بولیے۔''جج صاحب نے خشک لہجے میں خاتون گواہ کو اشارہ کیا۔

''جی۔ان کا چارج میں سنبھالتی ہوں' مگر انہوں نے واقعی ہر اس منٹ کی تھی اور دوسرے کو لیگز گواہ ہیں۔''مگر ہاشم اس کے ساتھ ہی جج صاحب کی طرف رخ کر کے کہنے لگا۔''یور آنر' یہ صرف ایک heresay (سنی سنائی بات) ہے' ایک ایسی خاتون جن کا کام ہی دوسرے کو لیگز کی ٹانگ کھینچنا ہے' ان کے بیان پہ عدالت ایئر پورٹ سیکیورٹی کے کنٹرول روم آپریٹر کو سمن نہیں کر سکتی۔خاتون ان کی جگہ لینے کے لئے جھوٹ بول رہی ہیں۔''

''یور آنر' اگر یہ heresay ہے تو اس کو ثابت کرنے کے لئے ہمیں اس آفیسر کو کورٹ میں پیش کرنا پڑے گا۔ورنہ کاردار صاحب کا یہ الزام ہم کیسے رد کر سکیں گے؟''

''بس بس!''ان دونوں کے ایک ساتھ بول اٹھنے کے باعث جج صاحب نے ہاتھ اٹھا کے ان کو خاموش رہنے کا کہا پھر ہاشم کو دیکھا۔

''بات تو ان کی سننی پڑے گے' اگر انہوں نے فوٹیج کے ساتھ ٹیمپرنگ نہیں کی تو ان کو کورٹ میں آ کر اپنی صفائی دینی پڑے گی۔اس لئے اگلی پیشی پہ.....''وہ اب حکم جاری کر رہے تھے۔کٹہرے میں کھڑی عورت مغموم نظر آتی تھی' اور اس کا اپاہج بیٹا حیران پریشان سا سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

''مم.....میری امی جھوٹ نہیں بولتی کبھی۔وہ کسی جاب لینے کک.....کے لئے تو ایسا نن.....نہیں کر رہی۔''

''سب کو پتہ ہے۔''سعدی نے اداسی سے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی۔

''مگر یہ زیادتی ہے۔''

''یہ انصاف کی عدالتیں نہیں ہیں میرے دوست۔یہ قانون کی عدالتیں ہیں۔''سر جھٹک کے وہ قریب بیٹھے چشمے والے آدمی کو دیکھنے لگا' جو اسے ہی دیکھ رہا تھا' مگر فوراً سے رخ پھیر گیا اور سر جھکا کے اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھنے لگا۔سعدی نے گھڑی دیکھی اور سوچا' کہ اگر فارس یہاں ہوتا تو کیا کہتا' مگر وہ تھا کہاں؟

.....❖❖❖.....

میں اپنی جفاؤں پہ نادم نہیں ہوتا ..... میں اپنی وفاؤں کی تجارت نہیں کرتا!

ہارون عبید کی رہائشگاہ کا آہنی اونچا گیٹ اس کی کار کے نزدیک آتے ہی میکانکی انداز میں سلائیڈ ہو کے کھلنے لگا۔اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے فارس چند لمحے انتظار کرتا رہا۔اس کے چہرے پہ معمولی سی فکرمندی تھی اور ماتھے پہ بل۔آنکھیں پُرسوچ انداز میں سکڑی ہوئی تھیں۔گیٹ پورا کھل گیا تو اس نے کار آگے بڑھا دی۔

چند منٹ بعد وہ لان عبور کر کے آبدار کے کلینک کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔جینز پہ سرمئی وی گلے کی شرٹ پہنے' آستینیں ذرا موڑ رکھی تھیں۔

کلینک کے اندر وہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی جب دروازہ کھلا۔آبی فوراً گھومی۔آنکھوں میں چمک در آئی۔''شکر آپ آ گئے۔''

''کیا ہوا ہے؟ آپ نے اتنی ایمرجنسی میں بلایا۔میں کورٹ جا رہا تھا۔''وہ حیرت بھری فکرمندی سے کہتا آگے آیا اور اس کی میز کے سامنے والی کرسی کھینچی۔ساتھ ہی اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ بدقت مقابل کاؤچ پہ آ ٹکی۔دونوں کے درمیان چند فٹ کا خلا تھا۔

''اب بتائیے' کیوں پریشان ہیں؟''وہ نرمی اور ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔آبدار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''میں بہت خوفزدہ ہوں۔''

''مسز کاردار نے کچھ کہا ہے؟''

آبی نے نفی میں گردن ہلائی۔

''پھر؟''

''ہاشم ملا تھا۔اس سے میں نے پوچھا کہ میری اور آپ کی تصویر بھیج کر اس نے ساتھ یہ کیوں لکھا کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا؟''

فارس ذرا چوکنا ہو کے بیٹھا۔''پھر؟''

''پھر اس نے کہا کہ....کہ فارس تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا اور یہ کہ....وہ مجھے آپ کی عورتوں میں شمار کرتا ہے۔''وہ روانی سے جھوٹ بول رہی تھی۔

''اور کیا کہا اس نے؟حنین' یا زمر کا ذکر کیا؟''وہ بے چین ہو گیا تھا۔

''نہیں' ان کا نہیں۔''وہ تیزی سے بولی۔''آپ کے خاندان والے اتنے مشہور ہو چکے ہیں' ان کو وہ نقصان پہنچائے گا تو پہلا شک اسی پہ جائے گا' اسی لئے وہ ایسا نہیں کرے گا۔مگر میں....''اس کا گلا رندھا۔

فارس نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہوا۔''وہ کچھ نہیں کرے گا۔''

''ارے واہ۔''آبی کی گیلی آنکھوں میں شکوہ در آیا۔''آپ نے اپنی عورتوں کی خیریت جان لی تو کیسے ریلیکس ہو گئے۔اور میرا کیا' جسے آپ نے اس سب میں دھکیل دیا۔یاد رکھیے اس سب میں' میں آپ کی وجہ سے آئی ہوں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''اس کے چہرے پہ معذرت خواہانہ سا تاثر ابھرا۔''میں اتنے دن سے آپ کی حفاظت کر رہا ہوں نا' آگے بھی کرتا رہوں گا۔آپ کے گارڈز کے ساتھ ان ٹچ ہوں' دن میں کئی دفعہ ان سے آپ کی خیریت پوچھتا ہوں' ہر دو گھنٹے بعد آپ کو فون کرتا ہوں' آپ کی کالونی کے سی سی ٹی وی کی لائیو فیڈ چیک کرتا رہتا ہوں۔آپ سے کئی کلومیٹر کے فاصلے پہ رہتا ہوں' اتنی دور سے جتنا کر سکتا ہوں وہ کر رہا ہوں نا۔''

''اگر آپ دور نہ ہوتے تو یہ زیادہ آسان ہوتا۔ہے نا؟''وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی تھی۔وہ ہلکا سا چونکا۔

''سوری؟''

''ضروری تو نہیں ہے کہ آپ دور رہیں۔آپ قریب بھی تو ہو سکتے ہیں۔''

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر موبائل پہ وقت دیکھا۔''مجھے چلنا چاہیے۔''آواز میں خشکی سی تھی مگر وہ اسی بے خودی کے عالم میں اسے تکتے ہوئے بولی تھی۔

''اگر آپ مجھ سے شادی کر لیں تو وہ مجھے نقصان نہیں دے سکے گا۔''

کمرے میں ایک دم عجیب سی خاموشی چھا گئی۔فارس غازی کی پیشانی کی رگیں اُبھر آئیں' آنکھوں میں برہمی در آئی' اور ایک گہری سانس لے کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔''مجھے چلنا چاہیے۔''

وہ تیزی سے اٹھی۔''اصلی والی شادی نہیں' صرف پیپر میرج۔صرف اس ٹرائل تک۔تاکہ وہ مجھے نقصان نہ پہنچائے۔جب اسے پتہ چلے گا کہ میں آپ کی بیوی ہوں تو وہ مجھے کبھی کچھ نہیں کہہ سکے گا۔وہ آپ سے ڈرتا ہے۔آپ....آپ مجھ سے شادی کر لیں۔سچ میں۔ورنہ وہ اور اس کی ماں مجھے مار دیں گے۔''

فارس نے آنکھیں میچیں' انگلی اور انگوٹھے سے بند آنکھوں کو مسلا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔پھر آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔''چار سال

کی جیل' ایک سال سے مدِ مقابل مسائل ....اور مجھے لگتا تھا آبدار صاحبہ کہ میں بہت گھاگ ہو چکا ہوں' اب کسی کی باتوں میں نہیں آ سکتا۔ مگر آپ نے ثابت کر دیا کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔'' نفی میں افسوس سے سر ہلاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''مجھے جس عورت سے محبت ہے اور جو میری بیوی ہے' وہ ٹھیک کہتی تھی۔ آپ نہیں بدلیں' آپ نے صرف اپنی تکنیک بدلی ہے۔''

''کیا میری حفاظت کے لئے آپ مجھ سے ایک پیپر کانٹریکٹ بھی نہیں کر سکتے؟ میں یہ صرف اپنی حفاظت کے لئے کہہ رہی ہوں۔'' آنسو آبی کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔

''نہیں' میں نہیں کر سکتا' اور میرا نہیں خیال کہ آپ کو کسی حفاظت کی ضرورت ہے۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ آپ کو ہلانے کے طریقے آتے ہیں مگر اب میں نہیں آؤں گا۔ بہت ہو گیا۔'' برہمی سے کہتا وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

''اور مجھے جس دلدل میں آپ نے دھکیل دیا' اس کا کیا؟''

''آپ نے سب کچھ اپنی مرضی سے کیا تھا۔'' وہ خشک لہجے میں کہہ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ آنکھوں میں بے زاری اور برہمی تھی۔ وہ تیز تیز اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ شاید رو بھی رہی تھی۔

''میرے احسان ہیں آپ کے اوپر۔''

''اور میں کب سے ان کی قیمت چکا رہا ہوں۔ زمر سے میرا ریلیشن بار بار بدظنی کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے کیونکہ میں ان احسانوں کی قیمت اتار رہا ہوں مگر اب بہت ہو چکا۔'' گردن موڑ کے غصے سے اس کو دیکھا۔ ''اب میں مزید آپ کی ان گیمز کا حصہ نہیں بن سکتا۔''

''میں نے ایسا کیا کہا ہے جو آپ غصہ ہو رہے ہیں؟ صرف اتنا ہی تو کہا ہے کہ مجھے سہارا دیں' مجھ سے شادی کر لیں' صرف میری حفاظت....''

وہ جو اپنی کار کا دروازہ کھول رہا تھا' ایک دم آواز سے دروازہ بند کیا اور غصے سے اس کی طرف گھوما۔ ''کیا آپ میں تھوڑی سی بھی عزتِ نفس ہے؟ ذرا سی بھی گریس؟ معمولی سی سیلف esteem؟ کیا اپنی خواہشات کے پیچھے خود کو اتنا گرانا ٹھیک ہوتا ہے؟ یو نو واٹ' مجھے فخر ہے اس بات پہ کہ جو عورت میری زندگی میں ہے' وہ عزت اور وقار کا پیکر ہے' کبھی کسی کے سامنے' حتیٰ کہ میرے سامنے بھی خود کو نہیں گرائے گی۔ اور

آج مجھے اس پہ زیادہ فخر ہو رہا ہے۔'' اس نے غصے سے کہہ کر دروازہ کھولا۔

''اور اگر وہ نہ رہے؟'' وہ جو اندر بیٹھ رہا تھا' اس کے الفاظ پہ لمحے بھر کو ٹھہرا پھر سر جھٹک کے اگنیشن میں چابی گھسانے لگا۔ دروازہ نہیں بند کر سکتا تھا' اس پہ آبی کے ہاتھ تھے۔ وہ آنکھوں میں دکھ' غصہ' نفرت لئے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''اگر وہ مر جائے' کیا تب آپ دیکھ پائیں گے کسی دوسرے کی طرف؟ کیا تب احساس کر سکیں گے کہ کون آپ کے لئے خود کو کتنا گرا چکا ہے؟''

فارس نے نظر انداز کرتے ہوئے کار اسٹارٹ کی' اور دروازہ زور سے کھینچ کے بند کیا۔ ''اب مجھے کال مت کیجئے گا۔'' درشتی سے تنبیہہ کر کے ریورس کرنے لگا۔

''آپ نے میرا دل توڑا ہے فارس غازی۔ میں آپ کے لئے اتنا گری' اتنا جھکی اور آپ اتنے سنگدل ہیں۔ ٹوٹے دل کی بد دعا سے آپ کو ڈر نہیں لگتا نا' تو پھر ٹھیک ہے۔'' اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔ اور دکھ سے اسے کار پیچھے کرتے دیکھا۔ ''خدا کرے وہ مر جائے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے مر جائے۔ خدا کرے آپ اسے مرتے ہوئے' ٹوٹے بکھرے ہوئے دیکھیں۔ اپنی آنکھوں کے سامنے۔ پھر آپ کو میرے دل کے کرب کا انداز ہو گا۔'' اسے دور جاتے دیکھ کے وہ چلا چلا کے کہہ رہی تھی۔ اور وہ جتنی تیزی سے ہو سکتا تھا' کار وہاں سے نکال رہا تھا۔ اس کی چیخوں کی آوازیں یہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔ جس لمحے کار باہر سڑک پہ آئی' اس نے ریس کو پوری قوت سے دبایا

اور کار کو سڑک پہ بھگاتا آگے لے گیا۔

عرصے بعد اسے لگا تھا کہ وہ آبدار کے احسانوں کی زنجیر سے آزاد ہو گیا تھا۔ ہلکا اور آزاد۔

.....❖❖❖.....

خزانہ ء زر و گوہر پہ خاک ڈال کے رکھ ..... ہم اہل مہر و محبت ہیں دل نکال کے رکھ

مور چال میں اس رات دس بجے کے ڈرامے کا وقت ختم اور اسامہ کی کلاس کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ لاؤنج ویران تھا' بتیاں بجھی ہوئی تھیں' مگر ندرت کا کمرہ روشن تھا۔ اندر وہ بیڈ پہ بیٹھیں' خفگی سے اسامہ کو لتاڑ رہی تھیں جو برہمی سے بمشکل ضبط کیے سُن رہا تھا۔ حنین تماشائی کی طرح باری باری دونوں کے چہرے دیکھتی تھی۔

''اس عمر میں سعدی مغرب کے بعد گھر سے باہر نہیں رہا' عشاء پہ نماز پڑھنے جاتا اور سیدھا گھر آتا۔ پھر بھی میں ڈانٹتی' مجال ہے جو اس نے برا مانا ہو۔ ہمیشہ سر جھکایا' اور اس شہزادے کو کچھ کہہ دو تو موڈ آف ہو جاتا ہے۔''

''امی آپ مجھ پہ ہر وقت شک کیوں کرتی رہتی ہیں؟'' وہ بگڑ کے بولا۔ ''شاہزیب کا گھر ساتھ والی اسٹریٹ میں ہے' میں اس سے نوٹس لینے ہی گیا تھا نماز کے بعد۔''

''مجھ سے پوچھتے ہوئے منہ ٹوٹ جاتا تھا؟ ہاں؟ مجھ سے کیوں نہیں پوچھا۔''

''نہیں نہیں آپ کو لگتا ہے میں نشہ کرنے لگ گیا ہوں یا شاید سڑک پہ کھڑے ہو کر لڑکیاں تاڑتا ہوں' یا لوگوں سے موبائل چھینتا ہوں۔''

''دیکھو دیکھو اس کی زبان۔ ماں کے آگے بڑا بولنا آ گیا ہے۔ سب جانتی ہوں میں' یہ جو اس کے دوست ہیں نا' یہی سکھاتے ہیں اس کو۔''

''ہر وقت میرے دوستوں کے پیچھے پڑی رہا کریں آپ بس۔'' وہ سرخ چہرہ اور آنکھوں میں آنسو لئے تیزی سے باہر نکلا اور دروازہ ٹھاہ مارا۔

''امی آپ اس کے دوستوں پہ مت آیا کریں۔'' حنہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ندرت نے اتنی ہی اکتاہٹ سے اسے دیکھا۔

''زیادہ بک بک نہ کرو' مجھے پتہ ہے تم بے غیرتوں کو کیسے پالنا ہے۔ اب جاؤ سر نہ کھاؤ میرا۔ باپ ہوتا نا سر پہ تو میں دیکھتی کیسی زبانیں چلتی ہیں تم لوگوں کی۔ ماں کو دیکھ کر شیر ہو جاتے ہو۔''

''چلیں جی' ہو گیا میلو ڈرامہ شروع۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اوپر آئی تو سیم کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اور وہ منہ پہ تکیہ رکھ کے لیٹا ہوا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر اندر آئی اور اس کے سر پہ آن کھڑی ہوئی۔

''امی تم پہ شک نہیں کرتیں۔''

''جاؤ موٹی' مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔'' وہ رندھی آواز میں تکیے کے نیچے سے بولا تھا۔

''امی صرف تمہاری حفاظت چاہتی ہیں۔ سب مائیں چاہتی ہیں۔ اگر ماں باپ بچوں کے آنے جانے کے اوقات پہ سختی کرتے ہیں' پوچھ گچھ کرتے ہیں تو اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ ان پہ شک کرتے ہیں' یا ان کو ان کے دوستوں سے کوئی خطرہ ہے۔ وہ صرف ایکسیڈنٹ' دہشت گردی' چوری چکاری کی وارداتوں سے ڈرتے ہیں' جسمانی نقصان سے ڈرتے ہیں۔ اگر شک کرتے ہوتے تو پوچھ گچھ نہ کرتے' خاموش ہو جاتے یا دوسری انتہا یعنی مار پیٹ پہ جاتے۔ یہ پوچھ گچھ نہ ہوں تو ہماری مائیں' مائیں نہ لگیں' نوکرانیاں لگیں۔ کھانا' کپڑے' آرام' وہ سب تو نوکرانی بھی دیتی ہے۔ تم ٹین ایجرز کو خود فیصلہ کرنا ہے کہ تم ماں کو نوکرانی کی جگہ دینا چاہتے ہو یا ماں کی!''

سیم نے تکیہ ہٹا کے گلابی آنکھوں سے اسے دیکھا۔''ہاں تمہیں جیسے بڑا پتہ ہے' تمہارے کون سے دس بچے ہیں جو تمہیں پتہ ہو۔اور....'' وہ رکا اور پھر تنک کے بولا۔''تمہارا تو کوئی ہیرو بھی نہیں ہے۔''

''اسامہ یوسف۔'' وہ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھ کے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ کے بولی۔''میں خود کسی ہیرو سے کم ہوں کیا؟''

اسامہ نے کچھ بڑبڑا کے تکیہ منہ پہ رکھ لیا اور کروٹ بدل لی۔حنہ آگے بڑھی' الماری دھیرے سے کھولی' اندر سے کچھ نکال کے کمر کے پیچھے چھپایا اور اونچا سا بولی۔''مجھے ایسے بھی بہت کچھ پتہ ہے۔زندگی بہت کچھ سکھا دیتی ہے۔'' پیچھے ہٹتی گئی اور دروازے تک پہنچ کے رکی۔''اور چاکلیٹ بھی۔'' دروازہ کھولا' اور چاکلیٹ کا پیکٹ پکڑے جھپاک سے باہر غائب ہوگئی۔جیسے ہی دروازہ بند ہوا' سیم کا جوگر ٹھاہ سے آ کر اس پہ آ کے لگا تھا۔

حنہ اب ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔جہاں کھلی لیپ ٹاپ اسکرین ڈھیروں stencils کے آئیڈیاز لئے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ہوم ڈیکور نشہ آور چیز تھی' مگر اچھی چیز تھی۔۔۔

نچلی منزل پہ آ کے تو زمر کے کمرے کی بتی جلی تھی۔وہ ٹیبل پہ تہہ شدہ جاءنماز رکھ کر اب دوپٹہ کھول رہی تھی۔پھر ایک نظر صوفے پہ لمبے لیٹے فارس کو دیکھا جو مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔

''دن کیسا گزرا؟'' زمر نے پوچھا تو اس کے چہرے پہ مزید طمانیت بکھر گئی۔آزادی اور اطمینان۔

''بس آج تمہاری یاد آتی رہی۔تمہاری قدر ہوتی رہی۔تم سے محبت بڑھتی رہی۔''

''پیسے چاہئیں؟'' زمر نے مڑ کے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔مگر اس کا موڈ نہیں بدلا۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو آج۔''

''شکریہ۔'' وہ اب آئینے کے سامنے کھڑی بال جوڑے میں لپیٹ رہی تھی۔

''تم کتنے دن سے ڈنر کا کہہ رہی تھیں نا' اگر آج چاہو تو.... بلکہ نہیں....'' فارس نے نفی میں سر ہلایا۔''تم بتاؤ' تمہیں کیا چاہیے۔''

''ہیں؟'' زمر نے پونی میں بال مقید کر کے حیرت سے آئینے کو دیکھا جس میں اس کا عکس نظر آ رہا تھا۔''طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟''

وہ صوفے سے اُٹھا اور اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔پھر بہت اپنائیت سے اسے دیکھ کے بولا۔''کوئی خواہش کرو' کچھ مانگو' کوئی ڈیمانڈ سامنے رکھو۔جو کہو گی پورا کروں گا۔ڈائمنڈز' ڈنر' گفٹ' کیا چاہیے تمہیں؟'' عادتاً ڈریسر کے کنارے بیٹھا اور محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔زمر نے پہلے اسے دیکھا' پھر اپنے ہاتھوں کو' پھر دوبارہ اس کے چہرے کو دیکھا۔

''ایسے پوچھ رہے ہو جیسے مرنے والے سے آخری خواہش پوچھی جاتی ہے۔''

''اونہوں۔وقت نہ ضائع کرو۔کچھ مانگو۔''

''اچھا۔جو کہوں گی کرو گے کیا؟'' وہ مسکرا کے بولی۔فارس نے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے اثبات میں سر ہلایا۔''ہوں!''

''تو پھر....'' وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔''میں یہ چاہتی ہوں کہ.... میرا شوہر.... میرے لئے' میرے ساتھ مل کر.... برتن دھوئے!''

وہ چند لمحے تو سمجھ نہ پایا۔''سوری؟''

''صداقت اور حسینہ گاؤں گئے ہیں چھٹی پہ۔'' اس نے ہاتھ چھڑائے اور آستین اوپر چڑھانے لگی۔''اور حنین کو کوئی نیا ہوم ڈیکور آئیڈیا مل گیا ہے اور اس کو کچن کی فکر نہیں ہے' سو میں سوچ رہی تھی کچن صاف کر لوں تاکہ بھابھی کو نہ کرنا پڑے مگر بھابھی کا بھائی چونکہ تعاون کرنے والا اور ہمدرد ہے' تو میرا آدھا بوجھ تو کم ہوا۔''

اور بھابھی کے ہمدرد بھائی نے بھنویں اکٹھی کر کے خفگی سے اسے گھورا۔''تمہارے خیال میں۔میں اتنا زن مرید اور بے وقار بے

غیرت مرد ہوں جو تمہارے کہنے پہ تمہارے ساتھ.... اوہ خدایا.... کچن میں برتن دھلواؤں گا؟''

''ہاں!'' اس نے سادگی سے اسے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

قریباً پانچ سات منٹ بعد وہ کچن سنک کے آگے کھڑا تھا' آستین چڑھے ہوئے تھے' نل کھلا تھا' اور وہ جھاگ بھرے اسفنج کو ایک پلیٹ پہ رگڑ رہا تھا۔

''ویسے اتنا برا کام نہیں ہے یہ۔'' نارمل سے انداز میں ساتھ کھڑی سلیب صاف کرتی زمر سے بولا تو اس نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''جیسے کہ تم نے تو کبھی ہاسٹلز' اور بیچلر فلیٹس میں برتن دھوئے ہی نہیں ہوں گے۔''

''کبھی نہیں۔ مجھے ہمیشہ خوبصورت نوکرانیاں مل جاتی تھیں۔'' فارس نے سر جھکائے پلیٹ پہ پانی گراتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

ٹھک سے زمر نے پلیٹس کا انبار اس کے سامنے دھرا' فارس نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ آنکھوں میں خفگی لئے اسے گھور رہی تھی۔ وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں' تمہارے مزاج میں اتنی سختی نہ ہوتی' تم واقعی کنٹرولڈ' ٹھنڈے اور شائستہ مزاج کی ہوتیں تو کتنا اچھا تھا۔''

''میں کہاں سخت ہوں؟'' حسبِ توقع وہ برا مان گئی۔ اب وہ بھی اس کے ساتھ کھڑی اپنا اسفنج بھگو رہی تھی۔

''ہر وقت غصہ کرتی رہتی ہو' ہر وقت کام کرتی رہتی ہو' بے چارے شوہر کا تو خیال ہی نہیں تمہیں۔ اب اس وقت بھی تم مجھ سے ہیرے جواہرات مانگ سکتی تھیں' پھول یا ڈنر وغیرہ بھی' مگر نہیں' کام ختم کرنے کی پڑی ہوتی ہے تمہیں۔''

''ہیرے جواہرات کے لئے ساری عمر پڑی ہے' کیونکہ تھینکس ٹو ہاشم' میں مرنے نہیں لگی' اس لئے ابھی خاموشی سے برتن دھوؤ۔''

فارس نے مسکراہٹ دبا کے اسے دیکھا۔ وہ چہرہ جھکائے' آستین چڑھائے' مگن سی ایک ڈونگے کو صاف کرنے میں لگی تھی۔ بال جوڑے میں مقید تھے اور دو گھنگریالی لٹیں چہرے کو چھو رہی تھیں۔ اس کے مسلسل دیکھنے پہ زمر نے پلکیں اٹھا کر بھوری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟''

''یہی کہ میں کتنا خوش قسمت ہوں' جو تم میری زندگی میں ہو۔''

''نشہ تو نہیں کرنے لگ گئے؟'' اسے اب واقعی فکر ہونے لگی تھی۔ وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

''یونہی بس۔ پتہ ہے جب میں جیل سے آیا تھا تو ساری دنیا سے بے زار تھا۔ بس یہی مقصد تھا زندگی میں کہ ان سب گناہگاروں کو تڑپا تڑپا کے ماروں' اپنا انتقام لوں' اور پھر.... پھر جو بھی ہو.... جیل جاؤں' مر جاؤں' کوئی فکر نہیں۔'' اس کی آواز میں کرب در آیا۔ ''مگر پھر.... تم نے مجھ سے شادی کرنے کی ہامی بھری۔ تم مجھے اذیت دینا چاہتی تھیں' اور میں تمہیں۔ تب لگتا تھا ہمارے درمیان کبھی کچھ ٹھیک نہیں ہوگا' مگر تم نے میرے مردہ دل کو زندہ کر دیا۔ اب میں خوش ہوں اور خوش رہنا چاہتا ہوں مگر.....'' اس نے کھلے نل تلے ڈش کی تو پانی کی دھار نے سارے جھاگ کو بہا دیا۔ ''مگر مجھے اپنے مکافاتِ عمل سے بھی ڈر لگتا ہے۔ میرا کارما۔ میرے اعمال کے نتائج۔''

''فارس!'' اس نے تحیر سے اسے پکارا۔ ''ایسے مت کہو۔''

''نہ کہنے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی۔'' وہ اُداسی سے مسکرایا تھا۔ ''میں نے بھی غلط کام کیے ہیں۔ غلط لوگوں سے انتقام لینے کے لئے۔ ان لوگوں کی زندگیاں تباہ کی ہیں۔ کسی کی زندگی کی ساری جمع پونجی جلائی' تو کسی کو ایکسپوز کر دیا' کسی کو لاپتہ کرا دیا' ان کی بھی تو اولادیں تھیں' اور میں اب بھی وہی کر رہا ہوں' میری مجبوری ہے۔ میں اپنے ہر کام کو جسٹیفائی کر سکتا ہوں مگر اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھے بھی اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔''

''اتنا مت سوچا کرو۔تم قصوروار نہیں ہو۔تم برابر کا' بلکہ ان کے اعمال سے بہت کم کا بدلہ لے رہے تھے۔''اس نے نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا۔

''انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا۔میں دو قبریں کھود کے نکلا تھا' بس میں نہیں چاہتا کہ میرے نام کی قبر میں میری وجہ سے کسی اور کو جانا پڑے۔''اس نے جھرجھری لی۔

''میں نا اب تمہاری چیزوں کی تلاشی لوں گی' اگر مجھے ذرا سی بھی کوکین یا سگریٹ مل گئی تو اچھا نہیں ہوگا۔''وہ غصے سے بولی تھی۔وہ پھر ہنس دیا۔''اب فضول باتیں مت کرو' اور کام کرو۔''دھونس سے کہتی وہ اس کے سامنے مزید برتن سرکانے لگی۔''اور پھر تم نے مجھے اینور سری پہ ڈنر بھی کرانا ہے۔''

''اب کوئی ڈنر نہیں ہوگا۔آپ نے ان برتنوں کی خاطر موقع مس کر دیا۔سوری!''وہ واپس اپنی جون میں آ کے بولا تھا۔

''ڈنر تو تم مجھے کرواؤ گے' وہ بھی اینور سری والی رات۔یاد رکھنا۔''نل بند کرتے ہوئے وہ دھمکاتے ہوئے بولی تھی۔اسے پتہ تھا وہ ابھی یونہی کہہ رہا ہے' مگر بعد میں ضرور ڈنر پہ لے جائے گا۔

وہ اس رات کو یادگار بنانا چاہتی تھی۔بہت خوبصورت اور یادگار۔

.....❖❖❖.....

جیتے جی مارتی ہے بے چینی ..... وہ سکوں ہو عطا کہ مر جائیں!

''قتل سے ایک دن قبل۔''

سورج کی تپتی گرم شعاعیں اس بلند عمارت کو دہکا رہی تھیں۔ہاشم اپنے آفس میں تیار سا کھڑا موبائل پہ بات کر رہا تھا' سامنے رئیس بیٹھا لیپ ٹاپ پہ لگا تھا۔بات کر کے ہاشم اس کی طرف آیا۔

''کام صحیح ہو رہا ہے؟''

''جی سر۔میں ان کے فونز ٹیگ کر رہا ہوں' ریکارڈنگ سن رہا ہوں۔فارس کی بہت سی آڈیو نکال لی ہے۔اور voice modulation کے ذریعے میں اس کو.....''

''کوئی کام کی بات معلوم ہوئی یا نہیں؟''اس نے بے زاری سے بات کاٹی۔

''یس سر۔وہ دونوں فون پہ۔فارس اور زمر....آج صبح مسلسل ڈنر کا ذکر کرتے رہے تھے۔وہ کئی دن سے اسے کہہ رہی ہے کہ وہ اسے اینور سری پہ ڈنر پہ لے کر جائے اور وہ بات ٹال دیتا ہے۔''

''گڈ۔ہم اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔''ہاشم نے اس کا شانہ تھپکا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔راہداری پار کی اور لفٹ میں داخل ہو گیا۔

جس وقت وہ لفٹ سے نیچے لابی میں اترا' سامنے سے آفس بلڈنگ کے استقبالی کے قریب....زمر یوسف آتی دکھائی دی۔وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے رک گیا۔

''میں کورٹ آ رہا تھا' آپ کیا مجھے لینے آ گئیں؟''

''نہیں' میں یہ دیکھنے آئی ہوں کہ کہیں آپ ملک سے فرار تو نہیں ہو گئے۔''وہ اسی طرح مسکرا کے بولی اور لفٹ کے اندر چلی گئی۔دروازے آپس میں مل گئے تو ہاشم نے موبائل نکال کے نمبر ملایا۔

''حلیمہ....وہ تمہیں سمن دینے آ رہی ہے۔سعدی کی وکیل۔تم وہی کرو جو میں نے کہا تھا۔او کے گڈ۔''

زمر بالائی منزل پہ اتری' اور آگے بڑھتی گئی۔ گھنگریالے بالوں کو پونی میں باندھے' سیاہ کوٹ پہنے' وہ کورٹ کے لئے مکمل تیار تھی۔ بس حلیمہ کو سمن کی کاپی دینے آئی تھی' اور توقع کے مطابق حلیمہ اپنے ڈیسک پہ نہیں تھی۔ اس نے سمن ایک کولیگ کے حوالے کیا' دستخط لیے' ساتھ میں اپنا کارڈ اور ایک نوٹ بھی دیا' اور لفٹ کی طرف واپس آئی۔ جیسے ہی دروازے کھلے اور وہ اندر داخل ہوئی' کوئی عجلت میں چلتا آیا اور دروازے کے بند ہونے سے قبل اندر آ گھسا۔ اس کے ہاتھ میں ایک باکس تھا جس میں چند فائلز' فوٹو فریم اور ایک ننھا سا پودا رکھا تھا۔ کہنی سے اس نے گراؤنٹ فلور پریس کیا اور دروازے آپس میں ملنے لگے۔ تب زمر نے دیکھا' وہ نوشیرواں تھا۔ وہ بھی اسی پل مڑا تو اس کا چہرہ دیکھا۔ زمر رخ موڑ کے کھڑی ہو گئی۔ سنجیدہ اور سپاٹ۔ وہ بھی ایک دم ہچکچا سا گیا۔ لفٹ نیچے اترنے لگی۔

''آپ مجھے ہمیشہ اپنے لئے اسٹینڈ لینے کو کہتی تھیں۔'' وہ اسے دیکھ کے آزردگی سے بولا تھا۔

''نوشیرواں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں آپ کو مجھ سے بات نہیں کرنی چاہیے۔'' وہ بے زاری سے چہرہ پھیرے بولی تھی۔

''مجھے اپنی فیملی کے خلاف آپ نے کھڑا کیا تھا۔ میں سمجھتا تھا آپ مختلف ہیں' شاید آپ کو میرا خیال ہے' مگر.... آپ بھی ان سب کی طرح ہی نکلیں۔''

''اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ سعدی کو تین گولیاں آپ نے ماری تھیں۔'' وہ اس کو دیکھ کے تیزی سے بولی تھی۔

''اور اب میں اپنی غلطیوں کو فکس کر رہا ہوں تو آپ مجھے کورٹ میں پراسیکیوٹ کر کے مجھ سے میرے تمام چانسز چھیننا چاہتی ہیں۔''

''اعمال کے نتائج ہوتے ہیں اور وہ بھگتنے پڑتے ہیں۔ اگر میں سونیا کو تین گولیاں مارتی' تب آپ مجھے کورٹ میں گھسیٹتے یا مجھے مواقع فراہم کرتے' کبھی فرصت ملے تو سوچئے گا۔''

وہ ایک دم چپ ہو گیا تھا۔ لفٹ نیچے اتر آئی تھی' دروازے کھل گئے تھے۔ زمر باہر جانے لگی۔

''مگر میں سب کچھ فکس کرنے کی کوشش کر تو رہا ہوں۔'' وہ کرب سے بولا تھا۔ زمر اس کی طرف گھومی۔ اور سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کیسے؟ استعفیٰ دے کر؟ اپنی کمپنی کی سیاہ کاریاں بتا کر؟ وہ آپ کے دوسرے گناہ ہیں جن سے ہمارا تعلق نہیں ہے۔ سعدی کے لئے کیا کیا آپ نے؟ کورٹ میں اعترافِ جرم کر سکتے ہیں؟ نہیں نا۔ ساری دنیا کے سامنے معافی مانگ سکتے ہیں؟ اپنے بھائی کے خلاف گواہی دے سکتے ہیں؟ نہیں نا۔ پھر میں کیسے مانوں کہ آپ کو موقع ملنا چاہیے؟'' سر جھٹک کے وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ باکس اٹھائے باہر آیا اور افسوس سے اسے دیکھا۔

''میں سمجھتا تھا آپ کو میری پرواہ ہے۔ صرف آپ کی عزت کرتا تھا میں آپ کے سارے خاندان میں۔ مگر آپ کو میری کوئی پرواہ نہیں ہے۔'' وہ اَن سنا کر کے آگے بڑھ گئی۔ لابی میں گزرتے چند لوگوں نے مڑ مڑ کے دیکھا تھا' مگر نوشیرواں کو کوئی فکر نہیں تھی۔

.....❖❖❖.....

گردشِ وقت مجھے خاک ڈرا پائے گی ..... تجربے جتنے بڑھیں اتنا ہی ڈر جاتا ہے

دوپہر کے باجود کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ تین افراد وہاں موجود تھے۔ کوئی بیٹھا تھا' کوئی ٹہل رہا تھا۔ ایک اردگرد چیزوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ سامان بکھرا ہوا سا تھا۔ تکیے' گدا' کھلے دراز.... ہر شے الٹ پلٹ کر دی گئی تھی۔ سامنے ایک بیگ کھلا پڑا تھا جس میں سے زیورات' احمر کے پاسپورٹ اور نوٹوں کی گڈیاں جھانک رہی تھیں۔

اور اسی کمرے کے ایک کونے میں بیڈ کی پائنتی کے ساتھ وہ بندھا ہوا دوزانو پڑا تھا۔ شدید تشدد کے باعث اس کی شرٹ پھٹی ہوئی

تھی' سر سے خون رس رس کر گردن اور کان پہ جم گیا تھا۔ گردن نیچے ڈھلکا کے وہ نقاہت زدہ سا بیٹھا تھا۔ دفعتاً اس نے چہرہ اٹھایا تو اتنا نظر آتا تھا کہ چہرے پہ کوئی زخم وغیرہ نہ تھا۔ پھر اس نے پھٹی ہوئی آواز میں ان کو مخاطب کیا۔ ''سب کچھ تو لے لیا ہے تم لوگوں نے۔ اب جان چھوڑ دو میری۔''

سامنے کھڑا آدمی اس کی طرف جھکا اور زور کا جھانپڑ اس کے منہ پہ رسید کیا۔

''مزید مال چاہیے۔ بتاؤ کہاں رکھا ہے' ورنہ آج میں تمہیں دفن کر کے سوؤں گا۔'' احمر کا چہرہ تھپڑ کے باعث دوسری جانب لڑھک گیا۔ منہ سے کراہ نکلی۔ پھر چہرہ اٹھا کے صوفے پہ بیٹھے آدمی کی طرف دیکھا جو مسلسل فون پہ کسی اجنبی علاقائی زبان میں بات کر رہا تھا۔

''مار تم مجھے نہیں سکتے....'' گہری گہری سانس لیتے اپنے بدقت اندر کے خوف پہ قابو پاتے اس نے کہنا چاہا۔ ''کیونکہ تم یہ زیور تقسیم نہیں کر رہے۔ جب بھی فیصلے کا وقت آتا ہے.... مجھے کیا کھانے کو دینا ہے' مجھے کدھر باندھنا ہے' مجھ سے کیا چاہیے.... تم تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہو' تم میں کوئی لیڈر نہیں ہے۔ تم میں سے کوئی اِن چارج نہیں ہے۔ اس لئے.... میری بات اس سے کرواؤ.... جو تمہارا اِن چارج ہے۔'' بدقت کہہ کے وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ ان تینوں نے پھر سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب کی بار کوئی اسے مارنے کو نہیں جھکا۔ بس وہ خاموش رہے۔ پھر موبائل والا اٹھا اور باہر نکل گیا۔ احمر گردن جھکا کے پھر سے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

میز پہ زیورات ابھی تک کھلے پڑے تھے۔ نیم اندھیرے میں بھی وہ جگر جگر چمک رہے تھے۔

.....❖❖❖.....

اجل خود زندگی سے کانپتی ہے ..... اجل کی زندگی پہ دسترس کیا

کمرہء عدالت کی اونچی کھڑکیاں تیز دھوپ کے لئے بانہیں کھولے کھڑی تھیں۔ سارا ہال سنہرا روشن نظر آ رہا تھا۔ فارس غازی حسبِ معمول آخری نشست پہ بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ عادتاً کان کی لو مسلتے ہوئے' کنکھیوں سے قریب بیٹھے چشمے والے آدمی کو دیکھ رہا تھا' جو سفاری سوٹ میں ملبوس تھا' اور نسوانی انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے بیٹھا تھا۔ فارس نے سر جھٹک کے توجہ سامنے مبذول کرنی چاہی جہاں وہ ادھیڑ عمر ائیر پورٹ سیکیورٹی کنٹرول روم کا آفیسر کٹہرے میں کھڑا تھا۔ زمر اس کے سامنے' چند قدم نیچے کھڑی تھی' فارس کی طرف اس کی پشت تھی اور وہ ہاتھ میں کاغذ پکڑے' سنجیدگی سے سوال پوچھ رہی تھی۔

''کیا یہ سچ ہے کہ آپ 22 مئی کی صبح ائیر پورٹ کنٹرول ٹاور میں موجود تھے؟''

''جی ہاں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ پہلی رو میں بیٹھا سعدی آگے کو جھکا' غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک ایک لفظ پہ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

''اور کیا آپ نے نوشیرواں کاردار کو 22 مئی کی صبح اسکرین پہ دیکھا تھا؟ یعنی 22 مئی کو کیا وہ ائیر پورٹ پہ موجود تھے؟''

''ائیر پورٹ پہ بہت سے لوگ ہوتے ہیں' مجھے ہر ایک کی شکل یاد نہیں رہتی۔''

''پلیز اپنے جوابات کو ہاں یا ناں تک محدود رکھیں۔ کیا آپ نے نوشیرواں کو دیکھا تھا یا نہیں؟''

''جی نہیں۔'' سعدی نے تھک کر سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔ پھر ذرا سا چہرہ موڑ کے دیکھا تو ہاشم مسکرا کے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سعدی کے دیکھنے پہ اس نے اپنی فائل کا ایک صفحہ یوں ترچھا کیا کہ سعدی کو اس پہ بڑے بڑے لکھے الفاظ صاف نظر آئے۔

''Money Talks'' سعدی نے بے زاری سے رخ پھیر لیا۔

''آپ کو یہ شخص نوشیرواں کاردار اس فوٹیج میں بالکل یاد نہیں؟'' زمر سپاٹ سا پوچھ رہی تھی۔ اشارہ سامنے بیٹھے شیرو کی طرف تھا۔

''جی نہیں۔'' آپریٹر نے شانے جھٹکے۔

''اور کیا آپ نے اپنے دوست کو کہا تھا کہ کاردارز کے لڑکے کی فوٹیج آپ نے غائب کر دی ہے؟''

''جی نہیں۔ میں ان لوگوں کو جانتا تک نہیں ہوں۔''

''مسعود عالم صاحب۔'' زمر نے ایک کاغذ سامنے کیا۔ ''یہ تصویر میں نے آپ کے فیس بک سے لی ہے' اس میں کیا یہ آپ ہی ہیں؟''

مسعود نے جھک کے تصویر دیکھی۔ ''جی۔''

''اور ساتھ میں کون ہے؟''

''یہ حمزہ علی عباسی ہیں۔''

''آب جیکشن یور آنر۔'' ہاشم نے بیٹھے بیٹھے پکارا۔ ''فین فوٹوز کا اس اہم گواہی کے درمیان ذکر کرنا؟''

''اوور رولڈ' مگر مسز زمر آپ کنکشن جلد واضح کریں' ورنہ عدالت کا وقت ضائع نہ کریں۔'' جج صاحب نے اسے تنبیہہ کی۔ زمر نے سر کو خم دیا اور چند مزید تصاویر سامنے کیں۔ ''یہ آپ کے ساتھ چند دوسری مشہور شخصیات کی تصاویر ہیں۔ یہ قمر الزمان کائرہ ہیں' یہ راحت فتح علی خان ہیں' اور یہ....؟''

''مصباح الحق۔'' مسعود عالم نے بتایا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو آپ جب بھی کنٹرول روم میں بیٹھے اسکرین پہ ائیر پورٹ پہ کسی شناسا چہرے کو دیکھتے ہیں' تو کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ تصویر لے لیں۔''

''جی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ اسکرین کو غور سے دیکھتے ہیں' اور کوشش کرتے ہیں کہ کوئی چہرہ unnoticed نہ رہے۔''

''جی ہاں' یہ میرا فرض ہے۔''

''مگر آپ کو نوشیرواں کاردار نہیں یاد؟ نہ 22 مئی کو' نہ 21 مئی کو۔''

''جی نہیں۔''

''کیونکہ ان سیلبر ٹیز کو آپ پہچانتے تھے مگر نوشیرواں کو نہیں۔''

''جی بالکل۔'' وہ اعتماد سے بولا۔

''اور آپ نے کبھی اس سے پہلے نوشیرواں کو نہیں دیکھا تھا؟''

''جی نہیں۔''

''اور آپ ان کے نام تک سے واقف نہیں تھے؟''

''جی نہیں۔ میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''مسعود صاحب' آج سے ڈھائی سال پہلے کیا یہ درست نہیں ہے کہ ایک رات نوشیرواں کاردار کی تصویر اور پاسپورٹ کی کاپی ہاشم کاردار نے ائیر پورٹ کے عملے کو بھیجی تھی۔'' اس کے سوال پہ فارس قدرے دلچسپی سے آگے ہوا۔

''آب جیکشن یور آنر۔'' ہاشم تیزی سے اٹھا مگر جج صاحب نے اسے واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''بات جاری رکھیں۔'' زمر نے تشکر سے سر کو خم دیا اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''یہ اس ای میل کی کاپی ہے جو تین مختلف آفیسرز نے ہمیں فراہم کی ہے۔ یہ وہ رات ہے جب مبینہ طور پہ نوشیرواں اغوا ہوا تھا' کوریا میں' اور ہاشم نے یہ تصاویر اور پاسپورٹ کی کاپی بہت سے آفیسرز کو بھیجی تھی تاکہ جیسے ہی یہ شخص واپس پاکستان

آئے' اسے فوراً اطلاع کی جائے۔اس ای میل کے ہیڈر میں بہت سے پتے لکھے ہیں۔یہ آپ کی ای میل کا پتہ ہے نا؟'' اس نے کاغذ اس کے سامنے کیا۔

''جی' مگر.....''

''اور یہ آپ کا جواب ہے جو آپ نے ریپلائی آل کلک کر کے دیا تھا جس میں لکھا ہے''On it , Sir'' یوں یہ جواب سب کو چلا گیا تھا۔''

''مجھے.... یاد نہیں۔'' اس نے پست آواز میں بولا۔

''آپ کے ای میل ریکارڈ کو سب ذرہ ذرہ یاد ہے۔اس کا مطلب ہے آپ نے وہ ای میل کھولی تھی' اور آپ نے نوشیرواں کا نام بھی سنا تھا' اور شکل بھی دیکھی تھی۔''

''دیکھیں اس بات کو کافی عرصہ گزر چکا ہے۔مجھے یاد نہیں تھا۔'' وہ سنبھل کر بولا۔

''کیا آپ اس شوٹنگ کلب کے ممبر ہیں؟'' اس نے ایک کارڈ کی کاپی اس کے سامنے رکھی۔

''جی۔''

''اور آپ تقریباً ہر ہفتے وہاں جاتے ہیں۔''

''جی ہاں۔تقریباً۔''

''تو کیا آپ نے اس کی لابی میں سال کے بہترین شوٹرز کی تصاویر اور نام نہیں دیکھے؟ پچھلے دو سال سے نوشیرواں کا ردار دوسرے نمبر پہ آرہے ہیں' ان کی تصویر وہاں نمایاں لگی ہے' جسے آپ ہر ہفتے دیکھتے ہیں۔تو پھر مجھے صرف اتنا بتایئے کہ آپ نے نوشیرواں کو اسکرین پہ مِس کر دیا' یہ بات تو سمجھ آتی ہے مگر آپ کا حلف لے کر یہ کہنا کہ آپ نے اسے کبھی دیکھا نہیں ہے' یہ نا قابلِ فہم ہے۔مجھے مزید کوئی سوال نہیں پوچھنا۔'' وہ سختی سے کہہ کر پلٹ آئی۔

ہاشم نے جھک کر ساتھ بیٹھے نوجوان وکیل سے سرگوشی کی۔''ویڈیو بنائی؟''

''جی سر۔اب حلیمہ کو بھیج رہا ہوں۔اسے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کیسی وکیل ہے اور اسے کیسی تیاری کرنی ہے۔'' ہاشم سر کو خم دے کر اٹھا۔

''مسعود صاحب آپ روز کتنے لوگ سی سی ٹی وی فیڈ کی اسکرینز پہ دیکھتے ہیں؟''

''سینکڑوں۔''

''اور کیا صرف ایک اسکرین کو دیکھنا ہوتا ہے آپ نے؟''

''نہیں' سر' بہت سے مانیٹرز ہوتے ہیں۔''

''اور ایگزٹ کنٹرول لسٹ کے لئے وزارتِ داخلہ سے' اور اس کے علاوہ پولیس اور دیگر ایجنسیز کی طرف سے ریڈ الرٹ کے طور پہ ایک ماہ میں کتنی تصاویر آپ کو بھیجی جاتی ہیں؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''آرام سے بھی دو سو سے اوپر۔''

''جب میں نے وہ تصویر ائیر پورٹ بھیجی' صرف اس لئے کہ میرے بھائی کو آنے میں تاخیر ہو گئی تھی' تا کہ وہ اغوا وغیرہ ہوا تھا' تو اس واقعے کو آج کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟''

''ڈھائی سال!''

''اور سعدی یوسف کے اغوا کے وقت اس بات کو قریباً ڈیڑھ سال گزر چکا تھا۔''

''ایسا ہی ہے۔''

''اور اس ڈیڑھ سال کے دوران آپ نے دو ہزار تصاویر بطور الرٹ دیکھی ہوں گی۔''

''اس سے بھی زیادہ۔'' آپریٹر اعتماد سے مسکرایا تھا۔

''تو کیا اسی لئے آپ کے لئے دیکھے ہوئے چہرے کو بھی یاد رکھنا مشکل ہے۔''

''آب جیکشن یور آنر۔ گواہ سے رائے بھی مانگ رہے ہیں کاردار صاحب اور ان کو لیڈ بھی کر رہے ہیں۔'' وہ بے زاری سے بولی تھی۔

''Sustained'' جج صاحب کی رولنگ کے بعد ہاشم سر جھٹک کے اب سوالات کا رخ موڑ کر عصمت بی بی کی طرف لے آیا۔ ذاتی عناد' پروفیشنل جیلسی' وغیرہ وغیرہ اور مسعود صاحب اب اعتماد سے بتا رہے تھے کہ یہ خاتون پہلے کتنے لوگوں کے ساتھ یہ کر چکی ہے۔

ساعت کے بعد زمر باہر آئی تو فارس دروازے کے ساتھ اس کا منتظر کھڑا تھا۔ چہرے پہ حیرانی' اور قدرے اچنبھا سا تھا۔ وہ فائلز سینے سے لگائے آگے بڑھنے لگی تو وہ جلدی سے اس کے پیچھے لپکا۔

''تمہیں اس کی ای میلز کا کیسے پتہ چلا؟ اور تم نے ائیر پورٹ کے اتنے سارے لوگوں سے ان کے ایف ڈیوٹ اور ای میلز کیسے لیں؟''

وہ واقعی متحیر تھا۔

''اسے oppo research کہتے ہیں' اور چونکہ میں وکیل ہوں تو مجھے وہ کرنی آتی ہے۔'' وہ مسکراہٹ دبائے چلتی جا رہی تھی۔

''مگر تمہیں کیسے پتہ کہ وہ بھی اسی کلب کا ممبر ہے جہاں نوشیرواں بھی جاتا ہے؟''

''کیونکہ میں ایک اچھی وکیل ہوں۔ تم کیا مجھ سے متاثر ہو رہے ہو؟''

اس کے ساتھ چلتے فارس کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

''ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔'' زمر نے چہرہ موڑ کے مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''میری زندگی میں وہ وقت پتہ نہیں آئے گا بھی یا نہیں!''

''مجھے تو آثار نہیں نظر آ رہے۔'' وہ بھی مسکراہٹ دبا کے بولا تھا۔

''ماموں!'' سعدی پیچھے سے پکارتا ہوا آ رہا تھا۔ فارس نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا؟ پریشان لگ رہے ہو؟''

''یہ احمر شفیع کہاں ہے؟ فون آف ہے اس کا اتنے دن سے۔'' وہ جھنجھلایا ہوا بھی تھا۔ فارس کی نظروں کے سامنے وہ بیگ' زیور' پاسپورٹ گھوم گئے۔ اس نے گہری سانس لی۔

''وہ کہیں شہر سے باہر گیا ہوا لمبے عرصے کے لئے۔ اس کو تنگ مت کرو۔''

''ایسے کیسے چلا گیا؟ میرے ساتھ اتنے کام کرنے تھے اس نے۔''

''اس کے پیچھے مت پڑو' اس کو اپنی مرضی سے جانے دو۔'' زمر نے بھی نرمی سے کہا تھا۔

سعدی شش و پنج میں مبتلا کھڑا رہ گیا' اور وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ پتہ نہیں کیوں' وہ مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔ احمر کچھ بھی کر سکتا تھا' مگر جتنا سوشل وہ تھا' وہ اپنا فون اور واٹس ایپ یوں بند نہیں کر دیتا تھا۔ اب وہ کیا کرے؟

.....❖❖❖.....

یہ مری عمر کا صحرا مرے دجلوں کا سراب ..... سرِ مژگاں نہ رہے گا تو کدھر جائے گا!

وہ ایک گرم صبح تھی۔ حبس آلود' گھٹن زدہ۔ فضا میں کوئی اَن دیکھی سی نمی تھی۔ جیسے کوئی خاموش آسیب تاک میں بیٹھتا ہے اور دلوں کی دھڑکن سنتا رہتا ہے۔

مور چال کے پورچ میں اندر سے اُڑ اُڑ کے آتی ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبوئیں محسوس ہو رہی تھیں۔ زمر اپنی کار کا دروازہ کھولے کھڑی تھی' کوٹ پہنے' پرس کاندھے پہ ڈالے' تیار اور مصروف سی اور بس آخری منٹ میں گویا فارس کو ہدایات دے رہی تھیں۔

''گھر جلدی آنا۔ پھر تم نے مجھے ڈنر پہ لے کر جانا ہے۔''

''اینورسری کل ہے مادام' اور جہاں تک ڈنر کا تعلق ہے تو کل حسینہ بنائے گی نا کدو گوشت۔'' وہ سادہ سی شرٹ پہنے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا' ہشاش بشاش سا مسکراتا کہہ رہا تھا۔

''کیا ہم آج رات بارہ بجے نہیں سلیبریٹ کر سکتے؟'' وہ خفا ہوئی۔

''کس چیز کو سلیبریٹ کرنا ہے؟ آپ نے مجھ سے انتقام کے لئے' میری زندگی کو جہنم بنانے کی نیت سے جو عقد کیا تھا' اس کو سلیبریٹ کرنا ہے کیا؟''

''نہیں' تمہاری دولت اور اس شاندار جاب کو سلیبریٹ کرنے کے لئے جس پہ تم روز جاتے ہو' اور جس کے لئے میں نے تم سے شادی کی تھی۔'' وہ جل کر بولی تھی۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ گرم صبح بھی خوشگوار لگنے لگی تھی۔

''میں تمہیں کسی ڈنر پہ نہیں لے جا رہا۔ تم نے موقع ضائع کر دیا مجھ سے برتن دھلوا کے۔'' ابھی وہ اور بھی کچھ کہتا جب گیٹ کے باہر ٹائر رگڑ کر رکنے کی آواز آئی۔ وہ دونوں چونکے۔ ایک کار رکی' دروازے کھلے اور پھر بیل بجی۔ فارس آگے آیا اور دروازہ کھولا۔

''شہرین!'' وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ زمر نے اس کے کندھے کے پیچھے سے جھانکا۔ باہر شہری کھڑی تھی۔ باب کٹ سنہرے بالوں کو کھلا چھوڑے' گلے میں اوٹ پٹانگ مالائیں ڈالے' ایک کان میں بالی پہنے' دوسرا کان خالی' وہ ہیجان کا شکار نظر آتی تھی۔ اسے دیکھ کر بے چینی سے بولی تھی۔

''فارس تم میرے لئے کیا کرو گے اگر میں تمہارے کیس میں تمہاری مدد کروں؟''

''وعلیکم السلام شہری' مجھے بھی تم سے مل کے بہت خوشی ہوئی۔'' وہ تحمل مگر غور سے اسے دیکھ کے بولا تھا۔

''مجھے کسی ایک سائیڈ پہ ہونا ہے کیونکہ جلد ہی گواہی کے لئے بلائی جاؤں گی۔ اس لئے مجھے بتاؤ' تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟''

شہرین نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتے ہوئے سوچتا رہا۔

''یہ منحصر ہے اس پہ کہ تمہارے پاس کیا ہے۔''

''نوشیرواں کا لاسینس' جو اس کی گلاک گن کا ہے۔''

فارس کے ابرو بے یقینی سے اٹھے' اس نے مڑ کے زمر کو دیکھا جو اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

''اندر آ جاؤ۔''

''تمہارا گھر وائرڈ ہو سکتا ہے' میں خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ تمہیں باہر آنا ہوگا۔''

''او کے۔'' اس نے ایک نظر زمر پہ ڈالی.... اس وقت کی ایک آخری نظر.... اور باہر نکل گیا۔ زمر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اس کا دماغ گلاک گن میں اٹکا ہوا تھا' مگر دل فارس میں۔ ابھی وہ اس پہ خفا ہو رہی تھی' مگر ایک دم وہ گھر سے گیا تو لگا جیسے سب کچھ خالی ہو گیا ہے۔ کاش وہ نہ جائے' آج کا دن اس کے ساتھ گزارے' مگر او نہوں۔ وہ سر جھٹکتی واپس کار کی طرف آئی۔ وہ ضروری کام سے گیا ہے' اتنا خود کو

کسی کا عادی نہیں کرنا چاہیے زمر بی بی۔خود کو دل میں پکارا اور خود ہی ہنس دی۔(زمر بی بی؟ واؤ!)

❖❖❖

بندہ پرور جو ہم پہ گزری ہے ..... جو ہم بتائیں تو کیا تماشہ ہو

سورج سوا نیزے پہ تھا جب سعدی اس فلیٹ بلڈنگ کی لفٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ساتھ میں گردن ادھر ادھر گھما کر اندازہ بھی کر رہا تھا کہ درست جگہ پہ ہے یا نہیں۔عمارت تو یہی تھی' فلیٹ نمبر بھی اسے مدھم مدھم سا یاد تھا۔فلور کے بارے میں وہ قدرے متذبذب تھا۔پھر اندازے سے ایک بٹن پہ انگلی رکھی تو لفٹ کے دروازے بند ہونے لگے۔

مطلوبہ فلور پہ اتر کے وہ غیر شناسا نظروں سے اطراف میں دیکھتا آگے آیا۔پودا' راہداری' فلیٹ کا دروازہ۔غالباً یہی تھا احمر کا فلیٹ' مگر مسئلہ یہ تھا کہ یہاں ہر فلور ایک سا لگتا تھا۔ایک سے پودے۔ایک سے دروازے۔خیر۔وہ آگے آیا اور دروازے کے ساتھ لگی بیل بجائی۔پھر سر پہ جمی پی کیپ درست کرتا' ذرا ہٹ کے کھڑا ہو گیا' تاکہ دروازے کے سوراخ سے دیکھنے والا اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔(شاید احمر اس کو avoid کر رہا ہو تو کم از کم یوں وہ کسی اور کے دھوکے میں دروازہ تو کھول دے گا۔)

اندر فلیٹ نیم اندھیرے میں ڈوبا تھا۔صرف کمرے کی بتی جل رہی تھی جس میں وہ تین آدمی اس کے سر پہ کھڑے تھے۔وہ ہنوز بندھا ہوا نیچے بیٹھا تھا' اور سر نیہوڑا رکھا تھا۔گھنٹی کی آواز پہ سب چونکے۔احمر نے بھی سر اٹھایا۔وہ پہلے سے زیادہ نقاہت زدہ دکھتا تھا۔

''ارے اس وقت کون آ گیا؟ ہاں؟ بول۔''ان کے سرغنہ نے اس کو بالوں سے پکڑ کے جھٹکا دیا۔

''جا کر خود کیوں نہیں دیکھ لیتے؟''وہ تلخی سے بولا تھا تو اس نے جھٹکے سے اس کا سر چھوڑا۔پھر باہر نکل گیا۔چند لمحوں بعد واپس آیا۔

''کوئی آدمی ہے' شکل نہیں دکھائی دے رہی۔اس طرف منہ کر کے کھڑا ہے۔سر پہ کیپ پہن رکھی ہے۔''اس نے موبائل پہ میجک آئی سے تصویر بنالی تھی اور اب احمر کو دکھا کے پوچھ رہا تھا۔''کون ہے یہ؟''

احمر نے ایک بے نیاز نظر تصویر پہ ڈالی۔

''یہ؟ یہ تو پزا والا ہے۔اس کے آؤٹ لٹ کا بل دینا تھا مجھے۔دو ہزار روپے۔''

پھر سے گھنٹی بجی۔تیز چنگھاڑتی آواز۔تینوں نے باری باری ایک دوسرے کو دیکھا۔

''خود ہی تھک کے چلا جائے گا۔بجانے دو گھنٹیاں۔''ایک نے مشورہ دیا۔

''ویسے بھی کوئی اور تو اس کے پاس آتا جاتا نہیں ہے۔سو کسی کو نہیں شک ہو گا۔''

''اور ہم نے اس کو یہیں رکھنا ہے' یہاں سے لے جا بھی نہیں سکتے۔''ان کی مدھم آوازیں احمر شفیع کو سنائی دے رہی تھیں۔

''میری کار پارکنگ میں کھڑی ہے۔اس پزا بوائے نے وہ دیکھ لی ہو گی۔اسے پتہ ہے کہ میں گھر پہ ہوں۔اس نے اپنی طرف سے پیسے دے کر کھانے میں غلط اعداد و شمار لکھے تھے' اور اب وہ پیسے لئے بغیر نہیں جائے گا۔دروازہ نہ کھولا تو پارکنگ میں جا کر میری کار کے شیشے توڑ دے گا' نتیجتاً گارڈز اوپر مجھے بلانے آئیں گے' پھر کیا کرو گے تم لوگ؟''

''چپ کر کے بیٹھو۔''ایک غرایا تھا۔

''میرے ہاتھ کھولو اور مجھے دو ہزار دے دو' تاکہ میں اسے پکڑا کے چلتا کروں۔مجھے پتہ ہے تم لوگوں نے مجھے مارنا نہیں ہے۔اور تمہارے مالک سے ملنے کا مجھے خود بھی کافی شوق ہے تو میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ پکڑے جاؤ۔میرے ہاتھ کھولو' میرا منہ دھلواؤ' تاکہ میں اس کو چلتا کروں۔''ان تینوں نے پھر سے ایک دوسرے کو دیکھا۔گھنٹی ہنوز بج رہی تھی۔

چند منٹ بعد دھلے چہرے والا احمر دروازے کے ساتھ کھڑا تھا' اس کے ہاتھ میں ہزار ہزار کے دو نوٹ تھے' اور اس کی پشت سے

ایک آدمی نے پستول کی نال لگا رکھی تھی۔ اندر کی ساری بتیاں بجھادی تھیں' تا کہ وہ دروازہ کھولے تو باہر والا اندر سے نہ جھانک سکے۔

''پہلے پوچھو کہ کون ہے اور کوئی چالاکی مت کرنا'' وہ ابھی تک مشکوک تھا۔ احمر نے گہری سانس لی اور کھنکھار کے آواز لگائی۔

''اے.... پزابوائے ہو نا؟''

''ہاں جی' پزابوائے ہوں۔ اب دروازہ کھولو۔'' وہ خفگی سے بولا تھا۔ احمر نے فاتحانہ نظروں سے اغوا کار کو دیکھا اور پھر آگے بڑھا۔ دروازہ ذرا سا کھولا اور سر باہر نکالا۔ سامنے سعدی کھڑا تھا۔

''مرے کیوں جا رہے ہو دو ہزار روپے کے لئے؟ گھنٹی بجا بجا کے دماغ خراب کر دیا ہے میرا۔ دو پزے کیا منگوا لئے' تم لوگ تو جان کو آجاتے ہو۔ یہ پکڑو۔'' غصے سے بولتے اس کے ہاتھ میں نوٹ تھمائے۔ سعدی ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ ''خبردار جواب گھنٹی کی۔ دفع ہو جاؤ ادھر سے۔ اور اگر اب دروازہ بجایا' تو کان کھول کر سن لو' میں سیکیورٹی والوں کو بلا لوں گا۔''

''کیا.... کیا....؟'' وہ سنبھل کے کچھ بول بھی نہ پایا تھا کہ احمر نے اس کے منہ پہ دروازہ بند کر دیا۔ سعدی نے بے اختیار دروازہ بجایا۔ ''احمر.... ایک منٹ میری بات سنو۔''

''دفعہ ہو جاؤ' خاور' ورنہ میں سیکیورٹی کو بلا لوں گا۔'' وہ حلق پھاڑ کے چلایا تھا۔ سعدی کا ہاتھ رک گیا۔ ساکت۔ شل۔ (خاور؟) وہ چند لمحے کھڑا ہاتھ میں پکڑے نوٹ دیکھتا رہا' پھر شل سا پلٹ گیا۔

ان کا سرغنہ میجک آئی سے باہر جھانک رہا تھا۔ وہ چلا گیا تو اسے سکون آیا۔ وہ واپس مڑا اور احمر کے ہاتھ پیچھے باندھ کر ہتھکڑی لگانے لگا۔ احمر نے کوئی مزاحمت نہیں کی' خاموشی سے خود کو بندھوا تا رہا۔

سعدی اسی شل سی کیفیت میں سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ لفٹ کی بجائے وہ زینوں سے جا رہا تھا' جانے کیوں۔ بار بار الجھ کر احمر کے الفاظ پہ غور کرتا۔ شاید اندر کوئی لڑکی ہو' اور وہ اسے بھگانا چاہ رہا ہو۔ مگر.... پزابوائے.... جب پہلی بار ادھر آیا تھا تو احمر اسے پزابوائے سمجھا تھا۔ آج برسوں بعد اس لقب سے پکارا تھا۔ مگر ''خاور؟'' اور یہ نوٹ۔ اس نے وسط سیڑھیوں پہ رک کر ان دونوٹوں کو دیکھا۔ وہ لپٹے ہوئے تھے۔ اس نے ان کو کھولا۔

دونوں نوٹوں کے درمیان.... تازہ خون لگا تھا۔ بالکل تازہ سرخ بوندیں۔ سعدی یوسف سناٹے میں رہ گیا۔

اوپر اب وہ احمر شفیع کو اندھیرا لاؤنج سے گزار کے روشنی والے کمرے میں لے جا رہے تھے۔ جیسے ہی وہ اندر آیا' روشنی میں اس کے ہاتھ کی پشت عیاں ہوئی' جس پہ ایک کٹ لگا تھا (جو اس نے اندھیرا راہداری میں دروازے کے لاک کے ساتھ رگڑ کے لگایا تھا) اور یہاں پہنچنے تک اس کو مسلسل دوسرے ہاتھ سے دبا کر رکھنے کے باعث اس سے خون رسنا رک گیا تھا۔ زائد خون وہ کپڑوں سے رگڑ کر صاف کر چکا تھا اور جس لمحے ان تینوں نے اسے واپس بیڈ کے قریب باندھا' اس کے ہاتھ پہ ان کو ایسا کچھ نہ دِکھا جو ان کو کسی شک میں ڈالتا۔ اب وہ ٹولی کی صورت کھڑے باتیں کر رہے تھے' اگلا لائحہ عمل طے کر رہے تھے' اور احمر خاموشی سے بیٹھا وال کلاک کو دیکھ رہا تھا۔ گھڑی لمحہ بہ لمحہ وقت کو گن رہی تھی۔ ٹک ٹک..... ٹک ٹک.....

.....❖❖❖.....

کیا بہاروں نے نئے عہد کی دستک دی ہے ..... شہریاروں کی خزاؤں کا سحر جاتا ہے

اس چھوٹے سے آفس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ کمپیوٹر کے سامنے ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ماؤس چلا رہا تھا اور فارس اس کے کندھے پہ جھکا' اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ شہرین دوسری طرف کھڑی تھی۔

''ملا کچھ؟'' وہ بے چینی سے بولی تو فارس نے سنجیدگی سے اسکرین کو دیکھتے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''نوشیرواں کے نام سے کوئی

ریکارڈ نہیں آ رہا۔''

''ہاشم کاردار کے نام سے کچھ گنز آ رہی ہیں میڈم۔'' آفیسر نے اطلاع دی۔

''نوشیرواں کا ریکارڈ وہ مٹا چکے ہوں گے۔ جب ہمیں اتنی آسانی سے منسٹری کے ڈیٹا بیس تک ایکسس مل گئی ہے تھینکس ٹو یور فادر شہری' تو ان کو بھی مل گئی ہوگی۔'' فارس افسوس سے کہتا سیدھا ہوا۔ ''تمہارا شکریہ مگر وہ ریکارڈ مٹا چکے ہیں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''ہارڈ کاپیز کہاں ہوتی ہیں؟'' شہری نے افسر کو سوچتے ہوئے مخاطب کیا۔ فارس ایک دم چونکا۔ ''ہاں واقعی' ہارڈ کاپیز کا ریکارڈ تو ہو گا نا۔''

''وہ تو میم.....'' وہ ذرا ہیجان سے بولا۔ ''ایک دوسری بلڈنگ میں ہیں' اور وہاں آپ کو میں یوں نہیں لے کر جا سکتا۔'' شہری نے تندہی سے اسے گھورا' اور پرس کھولا۔ چند گلابی کڑک دار نوٹ نکالے اور اس کے سامنے میز پہ ڈالے۔

''ہمیں وہ فائل چاہیے' اس لئے اب تم ہمیں اس بلڈنگ میں لے کر جاؤ گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے میم' مگر.....'' اس نے دھیرے سے نوٹ اٹھائے۔ ''شفٹنگ کے دوران فائلز کو ڈبوں سے نکال لیا گیا تھا۔ ان کی کوئی ترتیب نہیں ہے۔ اتنے بڑے تین کمرے فائلز سے بھرے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں پورا دن لگ جائے گا۔''

''یعنی اگر ہاشم نے وہ فائل نکالنی ہوتی تو اسے بھی کئی بندے لگا کے کئی گھنٹے کام کروانا پڑتا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ اتنا خوار کون ہو' اور صرف سافٹ کاپی مٹانے پہ اکتفا کیا ہو۔'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شہری کی آنکھوں میں چمک اُبھری۔

''یعنی فائل مل جانے کے چانسز زیادہ ہیں۔ گڈ۔ فاروق ہمیں ادھر لے چلو۔ چلو نا' اب شکل کیا دیکھ رہے ہو؟'' شہری نے آنکھیں دکھائیں تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''سنو۔'' پھر وہ اس کے قریب آئی۔ ''اگر لائسنس ڈھونڈ دیا میں نے تمہیں تو تم بھی میرا ایک کام کرو گے' اچھا۔'' اسے یاد دلایا۔ فارس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''پہلے لائسنس مل جائے پھر دیکھتے ہیں۔''

❖❖❖

ہوا کی زد پہ .....ہمارا سفر ہے کتنی دیر ..... چراغ ہم کسی شامِ زوال ہی کے تو ہیں

مور چال پہ رات اُتر آئی تھی۔ حنین یہ تسلی کرنے کے بعد امی سو چکی ہیں' اور اب اس کو ڈانٹ نہیں سکتیں' اپنی الماری سے وہ سارا سامان نکالنے لگی جو stencil پینٹ کرنے کے لئے اسے چاہیے تھا۔ صبح یا تو امی لاؤنج کی دیوار پہ ایک خوبصورت شاہکار دیکھیں گی یا صرف ''شاہکار''! تب تک جو بھی ہو' وہ اپنا کام اچھا یا برا کر چکی ہوگی۔ بہت جوش سے چیزیں اکٹھے کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

زمرا اپنے کمرے میں بیٹھی کام کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے فون اٹھا کے دیکھ لیتی۔ فارس صبح کا گیا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وال کلاک پہ سیکنڈ والی سوئی ٹک ٹک کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔

باہر حنین اب stencil کے خاکے کو دیوار پہ چپکا رہی تھی۔ اس کی خالی جگہوں پہ اس نے رنگ بھرنا تھا.....

فارس ایک نیم اندھیر آفس میں کھڑا تھا۔ بتیاں بند تھیں' اور وہ الماری سے فائلوں کا تھبا نکال کے زمین پہ رکھ رہا تھا۔ قریب میں اسٹول پہ بیٹھی شہری فائلوں کے ڈھیر میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ افسر بھی ساتھ بیٹھا ایک ایک صفحہ کھول کے دیکھ رہا تھا۔ بتیاں بند تھیں اور وہ تینوں پینسل ٹارچز کی مدد سے کام کر رہے تھے۔ فضا میں گرد اور گھٹن تھی۔ سست روی تھی۔ وقفے وقفے سے شہری کھانستی پھر ناک رگڑتی' اور کام کرنے لگ جاتی.....

احمر شفیع کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر کار میں موجود سعدی خاموش سا بیٹھا تھا۔ بالکل چپ۔ جیسے کسی کا منتظر ہو۔

اوپر فلیٹ میں وہی گھٹن زدہ ماحول چھایا تھا۔ اغوا کاروں کا ایک کارندہ دوسرے سے بے چینی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ ''اسے پنڈی والے گودام لے چلتے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ کوئی اور آجائے اس کا پوچھنے۔''

''نہیں' اس کو کہیں نہیں لے کر جانا۔ باہر موو کرنے میں بہت خطرہ ہے۔ یہیں کرنا ہے جو کرنا ہے۔''

نیچے بندھے احمر کی نظریں ہنوز گھڑی پہ جمی تھیں۔ دل بھی اسی آواز کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ ہر گزرتے سیکنڈ پہ ایک دفعہ ڈوب کر اُبھرتا۔ کیا کوئی آئے گا اس کی مدد کے لئے؟ کیا سعدی سمجھ پائے گا؟ یا وہ بے نام ونشان یہیں مر جائے گا؟

مور چال کے لاؤنج میں حنہ اسٹول پہ کھڑی دیوار پہ پینٹ کر رہی تھی جب آہٹ پہ چونکی۔ تیارسی زمر کمرے سے نکل رہی تھی۔ حنہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ اس وقت کس کی شادی میں جا رہی ہیں؟''

''اپنی شادی کی اینورسری میں جا رہی ہوں۔''

''کل بیس مئی ہے؟ ایک سال ہو گیا؟''

''کل نہیں۔ ابھی بارہ بجے سے بیس مئی ہے۔ اور فارس صاحب کو اتنے دن سے ڈنر ڈنر کرنے کے بعد بلآخر آج وقت مل ہی گیا مجھے ڈنر پہ بلانے کا۔''

حنہ کی آنکھیں چمکیں۔ ''کہاں بلایا ہے؟''

''ہم دونوں کے لئے ایک یادگار جگہ ہے وہ۔ زیادہ سوال مت پوچھو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''ویسے ان کو چاہیے تھا آپ کی مرضی کی جگہ پہ لے کر جاتے آپ کو۔ ٹیبل ریزرو کر کے بتا رہے ہیں اب۔''

''وہ تو گواہ کو ملوانے کا بہانہ کر کے بلا رہا ہے' مگر اکیلے آنے کا کہنا' اور وہ بھی بیس مئی کی رات..... ظاہر ہے وہ مجھے سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ او کے اللہ حافظ''۔ وہ مسکرا کر اس کو الوداع کہتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ یونہی حنین کے دل نے تمنا کی کہ وہ آج پھر چابیاں بھول جائے' اور واپس آئے' مگر وہ عجلت میں تھی۔ خیر' حنہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی۔

حنہ مسکرا کے واپس پینٹ کرنے لگی۔

اندھیر آفس میں وہ تینوں زمین پہ بیٹھے فائل پہ فائل چیک کیے جا رہے تھے' جب فارس نے جیب سے موبائل نکالا۔ نوسگنل۔ شاید یہاں جیمر لگے تھے۔ وہ موبائل واپس ڈال کے کام کرنے لگا۔

چند لمحے گزرے تھے جب شہری کا موبائل بجا۔ سر جھکائے کام کرتے فارس کے ہاتھ بالکل تھم گئے۔

''ہاں ٹھیک ہے' تم اس کو دوا دے دو اور.....'' سونی کو بخار تھا اور وہ فون پہ ملازمہ کو ہدایت دے رہی تھی۔ فون کان اور کندھے کے درمیان لگائے' وہ ساتھ ہی فائل کے صفحے بھی الٹ رہی تھی۔ فارس دم سادھے بیٹھا رہا۔ شہری نے فون بند کیا تو فارس نے اپنی جیب سے موبائل نکال کے پھر دیکھا۔ نوسگنل۔

اب کی بار اس نے نظریں اٹھائیں تو وہ مختلف نظریں تھیں۔ غور سے چبھتے ہوئے انداز میں شہری کو دیکھا۔ ''تم بہت سست روی سے کام کر رہی ہو۔ جلدی ہاتھ چلاؤ۔'' بظاہر مصروف سے انداز میں بولا تھا۔ شہری ''کر تو رہی ہوں' ڈسٹ بہت ہے'' کہہ کر نزاکت سے کھانسی' اور پھر اگلی فائل اٹھالی۔

وہ فائلز اٹھائے کھڑا ہوا اور دروازے کے ساتھ نصب الماری کے سامنے جا رکا۔ فائلز اندر رکھیں اور یونہی الماری میں سر گھسا ے

چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ کنکھیوں سے وہ دونوں کو دیکھ بھی رہا تھا۔ شہری کی اس طرف پشت تھی' البتہ آفیسر کبھی ادھر جاتا' کبھی ادھر۔ ساتھ ہی بار بار کلائی کی گھڑی پہ بھی ٹارچ مارتا۔ شہری کے ہاتھ بھی سست روی سے چل رہے تھے۔ دونوں کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر کس کا؟

وہ چند ثانیے الماری میں سر دیے کھڑا رہا۔ جیسے ہی اس نے دیکھا کہ آفیسر کی اس طرف پشت ہوئی ہے' وہ سرعت سے پیچھے ہٹا اور کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ بنا چاپ پیدا کیے وہ راہداری عبور کر کے زینوں کی طرف لپکا۔ جوتے اتار کے ہاتھ میں پکڑ لئے اور تیز تیز سیڑھیاں اُترنے لگا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ماتھے پہ پسینہ تھا۔

اندھیر کمرے میں شہری اسی طرح بیٹھی ٹارچ کی روشنی فائلز پہ ڈال رہی تھی۔ دفعتاً وہ سیدھی ہوئی اور گردن تھکاوٹ کے انداز میں دائیں بائیں موڑی' تو چونکی۔ تیسری ٹارچ کی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔ اس نے جلدی سے ٹارچ الماری پہ ڈالی۔

وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ حواس باختہ سی اٹھی اور باہر دوڑی۔ راہداری' دوسرے آفسز کے مقفل دروازے' زینے' سب سنسان پڑے تھے۔ اس نے بے اختیار ماتھا چھوا۔

''اوہ نو۔'' پھر پیچھے گھومی اور چلائی۔ ''وہ بھاگ گیا ہے' جاؤ اسے ڈھونڈو۔'' آفیسر ہڑبڑا کے اٹھا اور باہر کو لپکا۔ وہ اب پریشانی سے فون کان سے لگائے ہوئے تھی۔

''ہاشم..... پولیس مت بھیجو۔ وہ جا چکا ہے۔ میرا کیا قصور؟ مجھے واقعی نہیں علم ہو سکا۔'' وہ جھنجھلا کے کہہ رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

شمعیں باغی ہیں خاک کر دینگی ..... آندھیوں سے کہو سدھر جائیں

احمر شفیع کے فلیٹ کی بلڈنگ اسی طرح سر اٹھائے کھڑی تھی۔ اس کے اوپر .....آسمان پہ چمکتا ہوا تھال جیسا چاند نظر آ رہا تھا۔ زیرِ زمین پارکنگ میں کار کھڑی کر کے سعدی باہر نکلا۔ سر پہ کیپ تھی' آنکھوں پہ گلاسز تھے' اور دونوں ہاتھوں میں گروسری کے شاپر پکڑ رکھے تھے۔ مصروف سے انداز میں' جیسے کوئی تھکا ہارا مکین گھر کو لوٹتا ہے' وہ سیدھا لفٹ تک آیا اور گارڈز کو نظر انداز کر کے اندر سوار ہو گیا اور مطلوبہ بٹن دبائے۔

لفٹ منزل بہ منزل فضا میں اوپر سفر کرنے لگی۔ احمر کا فلور آیا تو وہ باہر نکلا۔ سامنے مخالف سمت میں کئی دروازے بند پڑے تھے۔ سعدی جلدی سے نیچے زمین پہ بیٹھا' اور دونوں لفافوں سے پیکٹ نکالے' پھر ان کو کھول کے زمین پہ الٹنے لگا۔ ان میں سرمئی سفید سا سفوف تھا جس کی عجیب سی بدبو تھی۔ سفوف کا ڈھیر لگا کے اس نے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔ کہیں کوئی آ تو نہیں رہا؟ مگر راہداری سنسان پڑی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے دوسرے لفافے سے ایک بوتل نکالی' ڈھکن کھولا' دوسرا ہاتھ ناک پہ جمایا اور مائع سفوف پہ الٹ کر ایک دم پیچھے ہٹا۔ سڑسڑ کی آواز آئی اور نہ کوئی آگ لگی' نہ شعلے بلند ہوئے مگر سفوف جلنے لگا' اور سیاہ دھواں فضا میں بلند ہونے لگا۔ شاپرز وغیرہ کو ڈسٹ بن میں پھینکتا' وہ تیزی سے دیوار پہ لگے فائر الارم تک آیا اور اسے کھینچ دیا۔ پھر بھاگ بھاگ کے چاروں دروازوں کو کھٹکھٹانے لگا۔ مگر فائر الارم کی آواز اتنی بلند تھی کہ دستک کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پوری بلڈنگ ایک دم جاگ اٹھی تھی۔ ساری راہداری دھوئیں سے بھر گئی تھی' گویا نچلے فلور پہ آگ لگی ہو اور دھواں اٹھ کے یہاں تک آ رہا ہو' اور سعدی یوسف ناک پہ ہاتھ رکھے' ایک ایک دروازہ بجا رہا تھا۔

''باہر نکلو۔ آگ لگی ہے۔ جلدی نکلو۔'' احمر کا دروازہ بجا کے وہ دھڑکتے دل سے چلایا تھا۔

.....❖❖❖.....

یہ جو ٹھہراؤ بظاہر ہے اذیت ہے مری ..... جو تلاطم مرے اندر ہے سکوں ہے میرا

وہ خوبصورت ہوٹل آج بھی روشنیوں سے منور اور عالیشان دِکھتا تھا جیسا کہ ماہِ کامل کی اس حسین رات میں اسے لگا تھا۔ رات کے

گیارہ بجنے کے باوجود لابی میں خاصی گہما گہمی تھی۔ زمرلبوں پہ مسکراہٹ سجائے' سیاہ جھلملاتے لباس میں تیار سی ادھر ادھر چہرہ گھماتی آگے بڑھ رہی تھی۔ نظریں فارس کو تلاش کر رہی تھیں۔ سارا دن اس کو دیکھا نہیں تھا' وہ واقعی اسے مِس کرنے لگی تھی۔

''فارس غازی کے نام سے ٹیبل ریزروڈ ہے؟'' اس نے استقبالیہ پہ کھڑے باوردی افسر سے پوچھا۔

''جی' ادھر آجایئے۔'' وہ اسے مودب سے انداز میں آگے لے گیا۔ وہ مسکراہٹ دبائے آگے چلتی گئی۔

ہاشم کاردار کے آفس میں صرف ایک بتی روشن تھی۔ یا پھر کونے میں رکھے ایکویریم کی بتیاں جل رہی تھیں۔ عجیب نیم اندھیر' پراسرار سا ماحول بنا ہوا تھا۔ وہ شرٹ کے کف موڑے کھڑا' ٹیس کے کندھے کے اوپر سے جھک کر اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا مگر آنکھوں میں چمک تھی۔

''وہ ہوٹل میں آگئی ہے' سر!''

''گڈ۔ تمہیں کیسے پتہ چلا وہ اس ہوٹل کا سن کر مان جائے گی؟''

''کیونکہ وہ چند دن پہلے غازی سے فون پہ کہہ رہی تھی کہ اسے اس ہوٹل میں ڈنر کرنا ہے۔ شاید وہ اس سے پہلے بھی یہاں آچکے ہیں۔''

''ویری گڈ۔ اب اس کو کال ملاؤ۔ اور ہاں' فارس کے سگنلز کھول دو۔ اب تک وہ گھر پہنچ گیا ہوگا' اس کو پریشان ہونے دو۔'' کھیل شروع ہو چکا تھا' وہ دلچسپی سے کہہ رہا تھا۔ مزا تو اب آنے لگا تھا۔

''راجر' باس!'' رئیس نے سر کو خم دیتے چند کلکس کئے' اور پھر اسپیکر پہ گھنٹی جانے کی آواز سنائی دینے لگی.....

آبدار عبید اپنے کمرے میں بیٹھی لیپ ٹاپ پہ کام کر رہی تھی' جب دروازہ زور سے بجا۔ اس کے ابرو بھنچے۔ گردن موڑ کے دیکھا۔

''اندر آجاؤ۔'' تحکم مگر ناگواری سے پکارا۔ دروازہ کھلا اور سامنے ملازمہ نظر آئی۔

''ہاشم کاردار صاحب نے آپ کے لئے کار بھیجی ہے۔ آپ کو آفس بلوایا ہے۔'' وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔ ذرا حیران' ذرا پریشان۔

''بابا کہاں ہیں؟''

''وہ گھر نہیں آئے۔''

''میری کار نکلواؤ' ڈرائیور اور دو گارڈز کو بولو تیار رہیں' میں آرہی ہوں۔'' ملازمہ کے جاتے ہی اس نے تیزی سے موبائل اٹھایا۔ اوپر ہاشم کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

''It's about Faris Ghazi۔'' چار الفاظ میں ساری بات ہی ختم کر دی تھی اس نے۔ وہ چند لمحے متذبذب سی کھڑی رہی۔ پھر پلٹ کے خود کو آئینے میں دیکھا۔ سفید لمبی قمیض کے ساتھ سفید ٹراؤزر پہنے' وہ سرخ بالوں کو کیچر میں اونچا باندھے ہوئے' عام سے حلیے میں نظر آتی تھی۔ دل اتنا پریشان ہو گیا تھا کہ لباس بدلنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے سرخ رومال اٹھایا' ماتھے کے اوپر باندھا' بالوں کو پھر سے کیچر میں کسا اور باہر کو لپکی۔

ہوٹل کا ریستوران ایریا زرد روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ پسِ منظر میں بجتی مدھم سروں کی موسیقی' جا بجا سجے خوشبودار پھول' اور اس کی میز کے وسط میں رکھی موم بتی' سب مل کر خوبصورت پرفسوں ماحول بنائے ہوئے تھے۔ وہ کہنیاں میز پہ رکھے' ہتھیلیوں پہ تھوڑی گرائے منتظری ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ انتظار کی خوشی اب بے چینی اور فکر میں بدلتی جا رہی تھی.....

احمر کے اپارٹمنٹ کا دروازہ دھڑ ادھڑ کھٹکھٹایا جاتا رہا تھا۔ دروازے کی درز سے دھواں اندر بھی داخل ہو رہا تھا۔ باہر لوگوں کی چیخ و

پکارا لگ تھی۔ کمرے میں نیچے بندھے احمر نے چونک کر وہ فائر الارم سنا تھا' پھر اس نے تینوں کی طرف سر گھمایا جو ایک دم پریشان ہو گئے تھے۔

''بلڈنگ میں آگ لگ گئی ہے۔''

''ہوسکتا ہے یہ فالس الارم ہو۔'' سرغنہ مشکوک تھا۔

''کیا کر رہے ہو؟ نکلو یہاں سے۔ ہم سب ورنہ جل کر مر جائیں گے۔'' احمر شفیع چلایا تھا۔ سرغنہ ابھی تک متذبذب دکھائی دیتا تھا ' مگر دوسرے دونوں اغوا کار جلدی جلدی ساری نقدی' چیک بکس' کارڈز وغیرہ زیورات والے بیگ میں بھرنے لگے۔ باہر کا شور وغل پہلے سے مزید بڑھ گیا تھا۔ سرغنہ چند لمحے کھڑا دیکھتا رہا' پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔ لاؤنج عبور کیا' اور بیرونی دروازہ کھولا۔ پھر ایک دم پیچھے کو ہٹا۔ باہر دھواں ہی دھواں تھا۔ سیاہ گھنا دھواں۔ وہ کھانستے ہوئے ذرا سا آگے بڑھا۔

''کیا ہوا ہے۔ کدھر آگ لگی ہے؟'' اس نے ادھر ادھر بھاگتے لوگوں سے پوچھا۔ چیخ وپکار اور افراتفری میں ایک جملہ کان میں پڑا تھا۔ ''آگ نہیں ہے' کسی نے کوڑا جلایا ہے شاید' دھواں ہے اس کا۔'' دو لوگ بالٹی بھر بھر کے اس سڑتے سفوف پہ ڈال رہے تھے' جس سے دھوئیں کا رنگ مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

''اوہ۔'' سرغنہ فوراً اندر کو لپکا اور دروازہ بند کیا۔ اپارٹمنٹ کے اندر بھی کافی دھواں بھر چکا تھا۔ وہ کھانستا ہوا آگے آیا۔ اور احمر کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ احمر بندھا پڑا تھا اور وہ دونوں جلدی جلدی چیزیں سمیٹنے میں لگے تھے۔

''کوئی آگ واگ نہیں لگی۔ ذرا سا دھواں ہے بس۔ واپس رکھو سب کچھ۔ ہم کہیں نہیں جا رہے۔'' وہ ڈپٹ کے بولا تو احمر کی رنگت پھیکی پڑنے لگی۔ اس نے بے چینی سے گھڑی کو دیکھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔

سرغنہ کرسی کھینچ کے پھر سے اس کے سامنے آ بیٹھا۔

''چلو پھر سے تفتیش شروع کرتے ہیں۔ ہاں تو مزید کتنا پیسہ ہے تمہارے پاس؟''

.....❖❖❖.....

آدمی کو خدا نہ دکھلائے ..... آدمی کا کبھی خدا ہونا

روشنیوں سے مزین ہال کی چند میزیں ہی بھری تھیں' باقی سب خالی تھیں۔ لوگ اُٹھ اُٹھ کے اب جانے لگے تھے۔ زمر اُداسی سے بیٹھی گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی' جب اس کا فون تھرتھرایا۔ اس نے گہری سانس لے کر اسے کان سے لگایا۔

''کہاں ہو تم فارس؟''

''تم کہاں ہو؟ میں کب سے انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔''

''انتظار تو میں کر رہی ہوں۔ ریسٹورانٹ ایریا میں بیٹھی ہوں۔ تم بتاؤ' تم کہاں ہو' میں وہیں آ رہی ہوں۔''

''اوہ میں سمجھا ابھی تم پہنچی بھی نہیں ہو گی میں اوپر ہوں۔ ففتھ فلور پہ۔ روم نمبر 507 میں۔ تم ادھر ہی آ جاؤ۔ ہمارا گواہ یہاں ہی ہے۔''

''گواہ۔'' وہ پرس اٹھاتے ہوئے ٹھٹکی' پھر ایک نظر میز پہ سجے پھولوں کو دیکھا۔ ''گواہ سے ملوانا تھا؟ واقعی؟ تو یہ ٹیبل کیوں ریزرو کروائی تھی؟''

''آ جاؤ پھر بتاتا ہوں۔ جلدی۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

زمر چہرے پہ خفا سے تاثر سجائے' فون کان سے لگائے اٹھی اور آگے بڑھنے لگی۔ ''ویسے کون ہے یہ گواہ؟''

''تم خود دیکھ لو گی۔''

''اچھا مگر یہ ہوٹل میں کیوں ہے؟'' وہ لفٹ کے سامنے جا رکی۔ تین لفٹس کے بند دروازے نظر آ رہے تھے۔ سب اوپر تھیں۔ اس نے باری باری تینوں کو نیچے آنے کا بٹن پریس کیا۔ جو جلدی آ جائے غنیمت ہوگی۔

''کچھ فائلز تھیں اس کے پاس' اس سے لینے کے لئے یہاں آنا پڑا۔ آرام سے دے نہیں رہا تھا تو.... کمپرومائز پوزیشن میں آنا پڑا۔'' لفٹ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ تبھی اس نے دیکھا' کونے والی لفٹ آ چکی تھی اور دروازے کھل گئے تھے۔ اندر سے وہ خالی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

''اوہ گاڈ کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ؟ اچھا مجھے مت بتاؤ۔'' لفٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے '5' کا ہندسہ دبایا اور فون کان سے لگائے بولی۔ ''مجھے اپنے جرم پہ گواہ مت بنانا۔''

''تم میرے خلاف گواہی نہیں دے سکتیں۔''

''اچھا' وہ کیوں؟'' وہ مسکراہٹ دبائے پوچھ رہی تھی۔ لفٹ کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے' وہ کنکھیوں سے لفٹ کی دو مخالف دیواروں کو دیکھ سکتی تھی جو آئینے سے ڈھکی تھیں۔ دائیں بائیں' گویا دو بڑے بڑے آئینے لگے ہوں۔ پیچھے کی دیوار لوہے کی تھی۔

''بھئی تم میری بیوی ہو' اور Spousal privilge کے تحت تم میرے خلاف گواہی نہیں دے سکتی۔ اب آ جاؤ' میں انتظار کر رہا ہوں۔''

زمر ایک دم بالکل ٹھہر گئی۔ لفٹ فضا میں اوپر کو اٹھ رہی تھی۔

''Spousal privilge?'' اس نے دہرایا۔ (یہ قانونِ شہادت میں ایک آرٹیکل ہے جس کے تحت میاں بیوی کو دورانِ شادی کی گئی گفتگو کے بارے میں ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا' ماسوائے اس کے کہ کیس وہ دونوں آپس میں لڑ رہے ہوں' جیسے طلاق' بچوں کی کسٹڈی یا کوئی اور کیس۔)

''ہاں' ہز بینڈ وائف پریولیج۔''

''اور آرٹیکل نمبر کیا ہے اس کا؟'' زمر کی سوچتی نظریں لفٹ کی ننھی اسکرین پہ لگی تھیں جس پہ ہندسے بدل رہے تھے۔ دوسرا فلور۔ تیسرا....

''کیا؟'' وہ جواباً بولا تھا۔

(رئیس نے ٹائپ کرتے ہوئے گڑبڑا کے ہاشم کو دیکھا۔ ''اس کو شک ہو گیا ہے شاید۔'')

''تم عموماً آرٹیکلز کو ان کے نمبرز کے ساتھ کوٹ کرتے ہو' مجھے متاثر کرنے کے لئے' آج نہیں کیا تو میں پوچھ رہی ہوں کہ اس کا آرٹیکل یاد ہے یا بھول گیا؟ آخر ٹیچر رہی ہوں میں تمہاری۔'' وہ محتاط سا پوچھ رہی تھی۔

(ہاشم تیزی سے کی بورڈ پہ جھکا اور ٹائپ کرنے لگا۔)

''میں اس وقت کافی فکرمند ہوں' اور تمہارا منتظر بھی اس لئے کہہ نہیں سکا۔ قانونِ شہادت آرٹیکل نمبر 5۔ خوش؟'' خفگی سے بولا تھا وہ لفٹ کا نمبر '4' سے بدل کر اب '5' ہو گیا تھا۔ دروازے کھلے مگر زمر باہر نہیں نکلی۔ ایک گہری سانس لے کر وہ بولی تھی۔

''اور جس فارس غازی کو میں جانتی ہوں' وہ انتہائی بے کار اسٹوڈنٹ تھا (اس نے دروازے بند ہونے کے بٹن پہ انگلی رکھی اور گراؤنڈ فلور پریس کیا۔) اور اس کو اس قانون کا آرٹیکل نمبر یاد ہونا تو دور کی بات' اس کو یہ تک معلوم نہیں ہوگا کہ قانونِ شہادت میں ایسا کوئی آرٹیکل ہے بھی یا نہیں۔ مگر وہ واحد شخص جو انگلیوں پہ آرٹیکلز یاد رکھتا ہے' وہ ہاشم کاردار ہے' اس لئے بہت شکریہ میری اینورسری برباد کرنے کے لئے ہاشم' مگر میں اب مزید تمہاری اسکیم کا حصہ نہیں بنوں گی۔ سنا تم نے؟'' وہ صدمے اور دکھ سے چلائی تھی۔ دوسری جانب چند لمحوں کی خاموشی

چھا گئی۔لفٹ نیچے اتر رہی تھی۔.....3.....2.....1.....

''اب بہت دیر ہو چکی ہے' ڈی اے۔'' فارس کی آواز میں کہا گیا۔اور لائن مردہ ہوگئی۔زمر کی رنگت سرخ دہکنے لگی تھی۔اس نے فون پرس میں ڈالا' اور لفٹ کے دروازے کو دیکھنے لگی۔دل و دماغ میں طوفان برپا تھے۔

1 سے 6 ہوا اور پھر.....لفٹ ہنوز نیچے اتر رہی تھی۔وہ چونکی۔جلدی سے بٹنوں پہ ہاتھ مارا۔دروازہ کھولنے کا بٹن دبایا۔ایگزٹ۔ بار بار مگر بٹن مردہ تھے۔لفٹ نیچے کا سفر کرتی جا رہی تھی۔B1 اور پھر.....B2.....اور ایک دم وہ ایک جھٹکے سے رک گئی۔لفٹ کی بتی جلنے بجھنے لگی۔ہر طرف سکوت چھا گیا۔زمر نے پریشانی سے بار بار ایگزٹ دبایا' مگر لفٹ مردہ ہو چکی تھی۔زمین سے دو منزل نیچے' وہ یقیناً پارکنگ ایریا۔وہ بھی تہہ خانے کی اندھیر پارکنگ میں رکی پڑی تھی۔وہ تیزی سے لفٹ کے فون کی طرف لپکی' ریسیور کان سے لگایا ور کال کا بٹن دبایا۔ رابطہ ملنے کی ٹون پہ وہ جلدی سے بولی۔''پلیز ہیلپ می' میں بی ٹو میں لفٹ میں ہوں' لفٹ جام ہوگئی ہے اور.....

''اور میں نے کہا نا' اب بہت دیر ہو چکی ہے۔اب آپ کی کسی عقلمندی کا فائدہ نہیں' مسز زمر!'' وہ ہاشم تھا اور وہ بہت سکون سے کہہ رہا تھا۔زمر سناٹے میں رہ گئی۔

''کتنے اعتماد اور ڈھٹائی سے اتنے ماہ آپ کورٹ میں میرے خلاف بولتی رہیں' آپ کو کیا لگا تھا؟ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا؟ میں تو سب کچھ ٹھیک کرنے جا رہا تھا' میں تو گلٹی تھا' مگر آپ کو انصاف چاہیے تھا۔یونو واٹ زمر' اب میں گلٹی نہیں ہوں۔اب مجھے افسوس نہیں ہو رہا۔ اب میں جان گیا ہوں کہ میں نے تم لوگوں کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کیا جو تم ڈیزرو نہیں کرتے۔تم سب کا یہی انجام ہونا چاہیے۔''

''فارس تمہیں جان سے مار دے گا' ہاشم۔مجھے باہر نکالو۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں چلائی تھی۔

''فارس کی جان ہی تو لے رہا ہوں۔یہ اوپر کونے میں کیمرہ دیکھ رہی ہو؟ سی سی ٹی وی کیمرہ؟'' زمر نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ سر اوپر اٹھایا۔''اس میں تمہاری فوٹیج بنتی جائے گی۔تمہیں مرنے میں ابھی ایک یا سوا ایک گھنٹہ لگے گا۔تمہارے مرنے کے بعد میں یہ فارس کو دے دوں گا' وہ اسے روز دیکھے گا' اور وہ اس کو دیکھ دیکھ کے پاگل ہو جائے گا' مگر اب مجھے افسوس نہیں ہوگا۔وہ اسی قابل ہے۔''

''اللہ پوچھے گا تم سے ہاشم۔'' اس نے ریسیور واپس پٹخا اور اپنا موبائل نکالا۔موبائل پہ نو سگنل نظر آ رہا تھا۔وہ اس کی سم کو ڈس ایبل کر چکے تھے۔اس نے ایس واپس بھیجنے کی کوشش کی' ایمرجنسی کال کرنے کی کوشش کی۔سب بے سود۔موبائل ناکارہ ہو چکا تھا۔

وہ اسے پرس سمیت نیچے فرش پہ رکھے دروازے تک آئی اور اسے پیٹنے لگی۔''کوئی ہے؟ ہیلپ می۔کوئی ہے؟ مجھے باہر نکالو۔'' دونوں ہاتھوں سے وہ بار بار دروازہ بجا رہی تھی' بلند آواز میں چلا رہی تھی' مگر کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ہر طرف ہو کا عالم تھا۔اندھیر سنسان پارکنگ ایریا میں۔سطح زمین سے کئی فٹ اندر۔آئینوں سے ڈھکے ایک ڈبے میں وہ مقید تھی' اور اس سے دو منزلیں اوپر' زمین پہ ٹہلتے لوگوں کو معلوم بھی نہ تھا کہ وہ یہاں ہے.....

''کوئی ہے؟ پلیز مجھے کوئی باہر نکالے۔'' گھٹن سے اس کو پسینے آ رہے تھے۔اس کا سانس بوجھل ہو رہا تھا' مگر وہ پوری قوت سے چلا رہی تھی۔آنکھ سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے تھے۔فارس' آ جاؤ۔پلیز آ جاؤ۔فارس پلیز.....آواز ڈوب رہی تھی' دل ڈوب رہا تھا.....

.....❖❖❖.....

وہ ابھی ابھی گھر آیا تھا اور حنین جو اسے بتا رہی تھی' وہ اس کے قدموں سے زمین کھینچ لینے کے لئے کافی تھا۔لمحے بھر میں ذہن میں سارے

پزل کے ٹکڑے آپس میں مل گئے تھے۔شہری.....پولیس.....اس کا نو سگنل دیتا فون.....وہ بے اختیار باہر کو بھاگا۔فون آن کر کے دیکھا تو اب سگنل آ رہے تھے۔اس نے تیزی سے زمر کا نمبر ڈائل کیا مگر آگے سے رابطہ ممکن نہیں کی ٹیپ چلنے لگی تھی۔وہ چابی لئے باہر کو دوڑا۔

اسٹول پہ کھڑی حنین کے ہاتھوں سے پینٹ برش سب گر گیا تھا۔ وہ چند لمحے تو حق دق' شل سی کھڑی رہی' پھر ایک دم جست لگا کر نیچے اتری اور ننگے پیر باہر کو بھاگی۔

''ماموں رکیں۔ میری بات سنیں۔''

وہ کار کا دروازہ کھول رہا تھا جب وہ تیزی سے آئی اور اس کا بازو تھام لیا۔ ''ہٹو سامنے سے حنین۔'' اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا' پورا جسم پسینے میں نہا رہا تھا' اور یوں لگتا تھا گویا جان نکل رہی ہو۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''یہ سب ہاشم نے کیا ہے' میں اسے جان سے مار دوں گا۔'' وہ غرایا تھا۔

''کیا اس کو نہیں پتہ ہوگا کہ آپ یہی کریں گے؟ اگر یہ سب اسی نے..... یقیناً یہ سب اسی نے کیا ہے' تو وہ آپ کے انتظار میں ہوگا' وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔'' وہ کہنے کے ساتھ رو بھی رہی تھی' ابھی تک اس کی کہنی تھام رکھی تھی۔

''تمہارا دماغ درست ہے؟ زمر مشکل میں ہے' زمر ٹھیک نہیں ہے اور تم کہتی ہو میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھا رہوں؟ ہٹو۔'' اس نے بازو چھڑایا اور کار کا دروازہ کھولا۔

''نہیں..... نہیں.....'' حنہ نے پوری قوت سے دروازہ واپس دھکیلا' فارس کی انگلیاں درمیان میں آ گئیں' مگر اس نے دروازے کو دھکیلے رکھا۔

''اس طرح زمر تو نہیں ملیں گی۔ اس نے زمر کو کسی جگہ پہ بلایا تھا۔ جو آپ دونوں کے لئے یادگار ہے۔ اپنے گھر نہیں۔ ہاشم سے بعد میں نپٹ لیجئے گا' پہلے زمر کو ڈھونڈ دیں ماموں۔ زمر زیادہ اہم ہیں۔ ہر انتقام' ہر بدلے سے زیادہ اہم۔''

فارس نے آنکھیں بند کیں اور چند گہرے سانس اندر کھینچے۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تو حنہ نے بھی دروازہ چھوڑ دیا۔

''کسی جگہ کا نام لیا تھا اس نے؟'' وہ اب ذرا سنبھل کے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں' مگر ہم ان کے فون کی آخری جی پی ایس لوکیشن چیک کر سکتے ہیں۔'' وہ تیزی سے اندر کو بھاگی۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا۔ شاک میں' ملال میں۔ اس کو کیوں لگتا تھا کہ اب وہ لوگ مشہور ہو چکے ہیں' تو ہاشم ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا؟ وہ غلط تھا۔ اور وہ غلط عورت کی حفاظت کرتا رہا تھا۔

سر جھٹک کے اس نے چند مزید گہرے سانس لئے اور اندر آیا۔ حنہ اوپر اپنے کمرے میں کمپیوٹر کے سامنے الجھی بیٹھی تھی۔ وہ اس کے کندھے کے پیچھے سے آ کر جھکا اور اسکرین دیکھی۔

''کچھ پتہ چلا؟''

''انہوں نے زمر کے فون کی لوکیشن کلون کی ہوئی ہے۔ تقریباً پچاس' پچپن' مختلف جگہوں پہ زمر کے فون کے سگنل اس وقت آ رہے ہیں۔'' اس نے خوفزدہ سی ہو کر فارس کو دیکھا۔ ''اب کیا کریں؟''

وہ اب پہلے سے ٹھنڈا اور سنبھلا ہوا لگ رہا تھا۔ چند لمحے سوچتی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتا رہا' پھر سیدھا ہوا۔

''میں اسے ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔''

''مگر کہاں؟'' وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

''ہاشم کے گھر!'' اور وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ اب کی بار وہ غصے میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ صرف کچھ سوچ رہا تھا۔

❖❖❖

اپارٹمنٹ بلڈنگ کی راہداریوں میں چھایا دھواں اب ختم ہوتا جا رہا تھا۔شور وغل کی آوازیں بھی ماند پڑ گئی تھیں۔احمر کے فلیٹ کے اندر سیاہ مرغولے بھی بیٹھتے جا رہے تھے۔ایک آدمی اس کے سر پہ کھڑا تفتیش کر رہا تھا' بے معنی سوالات جو صرف اس کو تھکانے کے لئے دو دن سے پوچھے جا رہے تھے' جبکہ باقی دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

یہ تب ہی تھا جب ایک نے آواز سنی۔کھانسنے کی مردانہ آواز۔

وہ ایک دم چونک کے بیٹھا۔پستول نکال لیا۔آواز ذرا بلند ہوئی۔ایک فوراً دروازے کی طرف آیا اور کان لگا کر سننا چاہا۔مگر آواز باہر سے نہیں آ رہی تھی' وہ اپارٹمنٹ کے اندر سے آ رہی تھی۔لاؤنج میں کھلتے گیسٹ باتھ روم کے دروازے کے پار۔

دوسرے نے آواز کا منبع پہلے ہی تلاش کر لیا تھا۔وہ دونوں ہاتھوں میں پستول پکڑ کر سیدھا تانے دبے قدموں باتھ روم کی طرف جا رہا تھا۔باتھ روم کے اندر کوئی کھانس رہا تھا۔اور کھانسے جا رہا تھا۔اغوا کار باتھ روم کے دروازے کے سامنے' پستول تانے رکا' اور پیر سے دروازہ دھکیلا۔وہ کھلتا چلا گیا۔

اندر سنک پہ جھکا نوجوان بری طرح کھانس رہا تھا۔بار بار نل سے منہ پہ پانی ڈالتا' پھر کھانسنے لگ جاتا تھا۔اغوا کار کو چند لمحے سمجھ ہی نہیں آئی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔یہ گھر میں کیسے گھسا؟ اور اسے دیکھتے ہی گولی مار دینی چاہیے یا نہیں؟ مگر وہ نقاہت سے کھانس رہا تھا۔اسے گولی نہیں ماری جا سکتی تھی۔وہ تیزی سے آیا' اور اسے شرٹ کی پشت سے دبوچ کر باہر کی طرف کھینچا۔

''اے....کیا کر رہے ہو....کیا کیا کر رہے ہو۔'' وہ نوجوان چلایا تھا' مگر وہ پستول اس کی گردن سے لگائے' ڈپٹ کر خاموش رہنے کا کہتا اسے اپنے ساتھ گھسیٹ کر آگے لے جانے لگا۔دوسرا ساتھی سامنے سے آ گیا' اس کے ساتھ میں بھی پستول تھا۔سعدی نے دونوں ہاتھ اُٹھا دیے۔''گولی مت چلانا۔پلیز گولی مت چلانا۔میں بیمار ہوں۔''

چند لمحوں بعد اسی اغوا کار نے سعدی یوسف کو احمر شفیع کے ساتھ فرش پہ پھینکا تھا۔ان کے سرغنہ نے بے یقینی سے نوارد کو دیکھا اور پھر اپنے دونوں ساتھیوں کو۔''یہ کون ہے؟'' اور احمر نے اس سے زیادہ بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ دھوئیں کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔وہی ہے جس کو اس نے دو ہزار روپے دیے تھے۔'' سرغنہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔اس نے گریبان سے پکڑ کے سعدی کو کھڑا کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے غرایا۔''کون ہو تم؟''

سعدی نے باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔''میں احمر کا دوست ہوں۔اس نے جو نوٹ دیے تھے' ان میں خون لگا تھا' میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔مگر اس سے پہلے میں نے ڈھائی گھنٹے پارکنگ ایریا میں بیٹھ کر تم لوگوں پہ نظر رکھی تھی' اور تمہارا یہ ساتھی.....'' اس نے انگلی سے ایک کی طرف اشارہ کیا۔''کھانا لینے جب باہر نکلا تھا تو میں نے اس کی تصویر کھینچ لی تھی' اور اپنے ایک دوست کو بھیجی تھی' اس نے اس کا شناختی کارڈ نکال دیا تھا مجھے' اور وہاں پہ موجود پتے کے خانے میں تمہاری مالکن صاحبزادی صاحب کے ایف ٹین والے گھر کا پتہ لکھا تھا' اور چونکہ میں بہت مشہور ہوں' تو مجھے پولیس کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔میں ایک نیوز اینکر کو کہہ آیا ہوں کہ اگر میں ایک گھنٹے تک اس سے رابطہ نہ کروں تو وہ چینل پہ چلا دے کہ صاحبزادی صاحبہ نے مجھے اغوا کر کے مار دیا ہے۔مرنے سے پہلے قاتل کا نام بتا دینا قانونی طور پہ بہت اہمیت رکھتا ہے' ہے نا' اس لئے تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے۔ہم دونوں کو اپنی مالکن کے پاس لے چلو' اور مجھے ان سے بات کرنے دو۔ٹھیک!'' سنجیدگی سے کہتے جھٹکے سے گریبان چھڑایا۔وہ تینوں ڈرائیور اور گارڈ یول کے غنڈے ایک دوسرے کو تکنے لگ گئے تھے۔پھر ایک آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ پیچھے موڑے۔سعدی نے مزاحمت نہیں کی۔چپ چاپ خود کو بندھواتا رہا۔پھر وہ تینوں تیزی سے باہر نکل گئے۔

احمر ابھی تک بے یقینی سے اسے گھور رہا تھا۔''اور تم پولیس کو' فارس کو' کسی کو نہیں لے کر آئے؟ کوئی اسلحہ' کوئی چیز ساتھ نہیں لائے؟''

''ریلیکس۔ میں اپنی زبان ساتھ لایا ہوں۔'' وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

''لعنت ہے تم پہ سعدی۔ وہ ہمیں مار دیں گے۔'' وہ دبا دبا سا چلایا تھا۔

''بے فکر رہو' مجھے اغوا ہونے کی عادت ہے۔ میرا تجربہ اس فیلڈ میں تم سے زیادہ ہے۔ اس لئے چپ کر کے انتظار کرو۔'' کہنے کے ساتھ اس نے گھڑی کو دیکھا۔ وہ اب بھی ٹک ٹک کر رہی تھی۔ لمحہ لمحہ ریت کی مانند پھسل رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

زمر لفٹ میں ادھر ادھر ٹہل کر' دروازے پہ ہاتھ مار مار کے اب تھک چکی تھی۔ وہ دروازے کے بالکل ساتھ ٹھنڈے فرش پہ اکڑوں بیٹھ گئی تھی' اور بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لئے تھے۔ ذرا ذرا وقفے سے وہ مٹھی سے دروازہ بجاتی تھی۔

''کوئی ہے؟ کھولو اسے۔ مجھے باہر نکالو۔'' آواز بیٹھ گئی تھی اور آنسو چہرے پہ لڑھک لڑھک کر خشک ہو چکے تھے' اور اپنے نشان چھوڑ گئے تھے۔ وہ بار بار ذہن سے اپنے دَمے کے خیال کو جھٹکتی تھی۔ ہاں اسے دَمہ تھا' مگر آج وہ کوئی اٹیک خود پہ نہیں ہونے دے گی۔ وہ چند گھنٹے گزارا کر لے گی' اور صبح تک کوئی اسے نکال ہی لے گا۔ ہاشم اس کی موت کو حادثاتی دکھانا چاہتا ہے' تو اب بم سے تو نہیں اُڑائے گا نا اسے۔ بس چند گھنٹے اور.....

ٹپ.....ٹپ.....کوئی عجیب سی آواز تھی جس پہ اس نے چونک کے گردن گھمائی۔ آگے پیچھے دائیں بائیں..... ہر طرف دیکھا۔ یہ کس شے کی آواز تھی؟ پھر گردن اٹھائی تو منہ کھل گیا۔ لفٹ کے اوپر' کسی ننھے سے سوراخ سے پانی کی باریک سی دھار نیچے گر رہی تھی۔ زمر کی نگاہوں نے دھار کا نیچے تک تعاقب کیا۔ وہ لفٹ کے فرش پہ پانی گرا رہی تھی۔

ایک گھنٹہ لگے گا تمہیں مرنے میں! اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ ایک گھنٹے میں وہ لفٹ پانی سے بھر جائے گی۔ وہ اسے ایک زندہ انسان کا آبزیدان بنانے جا رہا تھا۔ وہ اسے ڈبو کے مارنا چاہ رہا تھا۔ اوہ خدایا۔ وہ تیزی سے کھڑی ہوئی اور پھر سے دروازہ پیٹنے لگی۔

''مجھے باہر نکالو۔ پلیز کوئی ہے.....پلیز میری مدد کرو۔'' اس دفعہ آواز میں خوف اور وحشت تھی۔

اندھیر آفس میں بیٹھا ہاشم سنجیدگی سے اسکرین پہ نظر آتی فوٹیج کو دیکھ رہا تھا۔ پانی فرش کو گیلا کرنا شروع ہو گیا تھا اور وہ لڑکی اب بدحواس ہو رہی تھی۔

''لیکن پھر.....یہ مرنے کا کتنا شاندار طریقہ ہوگا' فارس غازی! ایکویریم میں مرنا۔'' اس نے زیرِ لب تبصرہ کیا۔ رئیس نے صرف ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور اپنا کام کرنے لگا۔

.....❖❖❖.....

آبزیدان(The Aquarium)

(حصہ دوئم)

کچھ اور بڑھ گئے جو اندھیرے تو کیا ہوا ..... مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم

مور چال پہ رات طویل ہوتی جارہی تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ایسے میں حنین بے چین سی دائیں سے بائیں لاؤنج میں چکر کاٹ رہی تھی۔ دیوار پہ آبشار کی صورت بہتے پینٹ اور فرش پہ لڑھکے ننھے برش اور ڈبے سے بے نیاز' وہ بار بار گھڑی دیکھتی تھی۔ فارس کہاں ہے' زمر کہاں ہے۔ یہی دو سوال پچھلے پون گھنٹے سے ہر طرف گونج رہے تھے' اور اب ایک دم بجلی کا ایک کوندا سا ذہن میں لپکا۔

سعدی کہاں ہے؟

وہ تیزی سے اوپر بھاگی۔ اس کا کمرہ کھولا۔ خالی اندھیر کمرہ۔ وہ کھڑکی تک آئی اور پردے سرکائے۔ نیچے پورچ میں اس کی کار بھی نہیں تھی۔ کہاں گیا وہ؟ کب سے گھر نہیں آیا' اسے احساس کیوں نہیں ہوا؟ وہ وہیں کھڑی جلدی جلدی اسے فون ملانے لگی۔

گھنٹی جارہی تھی' اور جاتی جارہی تھی' مگر جواب ندارد۔ اسے اب نئی پریشانی نے آن گھیرا تھا۔

احمر شفیع کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کی پارکنگ میں موجود کار کے ڈیش بورڈ پہ رکھا سائیلنٹ موبائل جل بجھ رہا تھا مگر اس کو دیکھنے کے لئے کوئی وہاں موجود نہ تھا۔

اوپر عمارت میں آؤ اور احمر کے فلیٹ میں جھانکو تو باہر پھیلی گھپ رات کے برعکس اندر اب روشنی تھی۔ لاؤنج روشن تھا اور وہ تینوں وہاں کھڑے دبی آواز میں بحث کر رہے تھے۔ پھر ان کا سرغنہ وہاں سے ہٹا اور اندر آیا۔ دروازہ کھولا۔ یہ کمرہ بھی روشن تھا' اور بیڈ کے قریب وہ دونوں بندھے ہاتھوں کے ساتھ زمین پہ اکڑوں بیٹھے نظر آتے تھے۔ آہٹ پہ دونوں نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر تروتازہ چہرے اور چھوٹے گھنگریالے بالوں والا لڑکا بولا۔

''پندرہ منٹ گزر چکے ہیں۔ پون گھنٹے میں یہاں پولیس آجائے گی۔ رپورٹرز الگ ہوں گے۔ ہوسکتا ہے اس سے بھی جلد آ جائیں۔ میری بات کرواؤ نا اپنی مالکن سے۔''

''زیادہ ہوشیار مت بنو۔ قریب کے کسی تھانے میں تم نے رپورٹ نہیں درج کی۔ کوئی پولیس نہیں آرہی۔ ہم نے پتہ کروالیا ہے۔''

وہ نخوت سے بولا تھا۔ احمر نے بے اختیار سعدی کا چہرہ دیکھا مگر سعدی حیران نہیں ہوا تھا۔

''میں تمہیں پکڑوانا نہیں چاہتا۔ بس تمہاری مالکن سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ان سے بات کروادو ہماری یا ہمیں ان کے پاس لے چلو پولیس کے آنے سے پہلے۔''

''کہہ رہا ہوں نا' ہم نے پتہ کروالیا ہے' کوئی پولیس نہیں آرہی۔ اب تم سیدھی طرح بتاؤ' تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔'' وہ

اس کے سر پہ کھڑا ہو کے غرایا۔ احمر نے پھر سعدی کو دیکھا۔ اب کی بار غصے سے۔

''تمہاری مالکن سے بات کرنی ہے۔ اس کو صرف اتنا کہو کہ وہ اپنی ای میل چیک کر لے۔ آگے وہ سمجھ جائے گی۔''

وہ چند لمحے اسے گھورتا رہا' پھر بوٹ سے زور سے اس کے کندھے پہ ٹھوکر ماری' تو سعدی توازن برقرار نہ رکھ سکا' اور دوسری جانب لڑھکا۔ سرغنہ تن فن کرتا باہر نکل گیا اور سعدی دانت پہ دانت جما کے ضبط کرتا واپس سیدھا ہو کے بیٹھا۔ احمر وہیں سے غصے سے اس آدمی کو پکار کے لعن طعن کرنے لگا تھا۔ پھر اس کی طرف گھوما۔

''تم نے پولیس بلائی نہ رپورٹرز۔ خود کو بھی مشکل میں ڈالا۔ پاگل۔''

گرنے سے اس کی کہنی رگڑی گئی تھی' وہ دونوں ہاتھوں سے شرٹ اور آستین جھاڑتے ہوئے تلخی سے مسکرا کے سر جھٹک کر رہ گیا۔

''جن لوگوں نے تین دن سے تمہیں بند کر رکھا ہے' جن کو تمہیں سرے سے مارنا ہی نہیں ہے' جو ڈرائیور اور مالی کے لیول کے گارڈ ہیں' اور صرف تمہیں کنگال کرنے' سبق سکھانے' اور مار پیٹ کرنے آئے ہیں' انہوں نے مجھے مار کے کیا کرنا ہے؟ میں ایسے ہی نہیں آ گیا۔ بلڈنگ کی سی سی ٹی وی چیک کی تھی۔ تمہارا ٹریک ریکارڈ بھی یاد ہے۔ یہ خاتون خاندانی قاتلوں کے جیسی نہیں ہیں۔ یہ تنہا ہیں۔ تمہاری حرکت کی وجہ سے ان کا خاندان ان کو abandon کر چکا ہے' اور ان کی سیاسی سیٹ ان سے چھن گئی ہے۔ یہ اپنے آبائی گاؤں تک واپس نہیں جا سکتیں۔ نہ ان کے پاس خاندان کے مردوں کی سپورٹ ہے۔ ایسی عورت نے کسی کو قتل نہیں کروانا۔ وہ صرف اپنی فرسٹریشن نکالنا چاہ رہی ہیں' ایسی عورت سے ہم نپٹ سکتے ہیں۔''

''کب؟ جب تک وہ ہم دونوں کو مار چکے ہوں گے؟''

''دیکھی ہیں میں نے ٹریش کین میں خالی سرنجز۔ پستول کا دستہ تک نہیں مار سکے تمہیں وہ۔ ٹرینکولائزر گن سے بے ہوش کیا۔ یہ قاتل نہیں ہیں۔ ایک ڈپریشن کی ماری ہوئی عورت کے احکامات کی وجہ سے پھنسے ہوئے ہیں۔ میں تمہیں صرف نکالنا نہیں چاہتا' اس مسئلے کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے یہاں سے بہت پہلے بھاگ جانا چاہیے تھا۔'' وہ افسوس سے سر دائیں بائیں جھٹک کر کہہ رہا تھا۔ ''میں نے اس شہر میں بہت سے لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ میرے اپنے اعمال ہیں سعدی!''

''ایسا ہی ہے۔'' سعدی نے رسمی تردید بھی نہ کی۔ احمر نے سر جھکا کر پیشانی تھام لی۔ ''میں اتنا فراڈ' اتنا دھوکے باز' اتنا liarComplusive بن چکا ہوں سعدی کہ اب چاہوں بھی تو ٹھیک نہیں ہو سکتا۔''

''اپنے چاہنے سے کوئی ٹھیک ہو بھی نہیں سکتا۔ اللہ کا چاہنا زیادہ ضروری ہے۔ اور پھر کوشش کرنا۔''

''اب کیسی کوشش؟ مسز جواہرات نے اعتبار کیا مجھ پہ' میں وہ بھی خاک میں ملا کر ان کا زیور لوٹ کر جا رہا تھا۔ ایسا آدمی ہوں میں۔ ایسے آدمی کے دوست ہو تم۔'' وہ تلخی سے چہرہ اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ تین دن سے بندھے ہونے کے باعث وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھا۔

''جانتا ہوں مگر ہر شخص خطا کار ہوتا ہے اور بہترین خطا کار وہ ہوتا ہے جو توبہ اور رجوع کرتا ہے۔''

''خطا کار اور گناہگار میں فرق ہوتا ہے۔'' وہ پھر زہر خند ہوا۔

''ہاں۔ سب گناہگار نہیں ہوتے' مگر خطا کار سب ہوتے ہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرا کے سر جھکائے' فرش پہ ناخن سے رگڑ کر لکیر سی بنانے لگا۔ ''میں ایک عمر تک یہ سمجھتا تھا کہ انسان آزمائش آنے پہ دو طرح سے ردِعمل دیتا ہے۔ یا وہ پاس ہوتا ہے' یا فیل۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام ہر آزمائش پہ پورا اترتے تھے' یا جیسے ہم لوگ جو بار بار فیل ہو جاتے ہیں۔ ہر دفعہ تہیہ کرتے ہیں' اب یہ غلط کام نہیں کرنا' ماں باپ سے غصے سے بات نہیں کرنی' بری عادت کی طرف واپس نہیں جانا۔ مگر اللہ آزماتا ہے' اور ہم پھر وہی کر دیتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ آزمائش کے دو ہی نتیجے

ہوتے ہیں۔ پاس کرو تو درجے بلند اور فیل کرو تو درجہ وہی رہے گا یا نیچے جاؤ گے۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔ احمر خاموشی مگر مایوسی سے سنے گیا۔ وہ اس طرح کی باتوں سے خود کو ریلیٹ نہیں کر پاتا تھا۔

''میں بہت عرصے سے قرآن بھی پڑھتا آ رہا تھا' مگر کبھی سورۃ صٓ کے اس واقعے پہ غور نہیں کیا۔ قید میں ایک دفعہ موقع ملا تو اس واقعے کا مطلب ہی بدل گیا میرے نزدیک۔ وہ داؤدؑ کا واقعہ ہے' مشہور سا۔ داؤد علیہ السلام اپنی ذاتی زندگی میں کوئی غلطی' کوئی کمی بیشی کر رہے تھے' یہود نے تو بہت سی بے ہودہ کہانیاں گھڑ رکھی ہیں مگر چونکہ انبیآء معصوم ہوتے ہیں' اس لئے ہم مسلمانوں کو اس واقعے کی گہرائی میں نہیں جانا چاہیے' بلکہ اصل سبق جو لینا ہے وہ لینا چاہیے۔ تو ہوا یہ کہ داؤد علیہ السلام کو ان کی غلطی کا احساس دلانے کے لئے دو فرشتے انسان کے روپ میں اللہ نے بھیجے۔ وہ ان کے پاس دیوار پھاند کے آئے اور ایک نے کہا کہ میرے پاس ایک دنبی ہے اور اس کے پاس 99۔ یہ اب میری ایک بھی ہتھیانا چاہتا ہے۔ قصہ مختصر' داؤد علیہ السلام نے ان کا مسئلہ حل کروایا' اور ان کو نصیحت کی۔ نصیحت کے اس عمل کے دوران ان کو احساس ہوا کہ ان کو خود بھی کوئی ایسا ہی معاملہ درپیش ہے اور اللہ ان کو آزما رہا تھا۔ ہوتا ہے نا بعض دفعہ' ہمارا ہی مسئلہ کوئی اور آ کے ہم سے بیان کرتا ہے اور ان کو جواب دیتے دیتے ہمیں اپنے مسئلے کا حل نظر آ جاتا ہے۔ تو داؤدؑ کو احساس ہوا کہ وہ آزمائش پہ پورے نہیں اترے۔ بات ختم کرتا ہے اور ان کو جواب دیتے دیتے ہمیں اپنے مسئلے کا حل نظر آ جاتا ہے۔ تو داؤدؑ کو احساس ہوا کہ وہ آزمائش پہ پورے نہیں اترے۔ بات ختم نا؟ آزمائش آئی' وہ پورے نہیں اتر سکے' بات ختم؟ مگر نہیں۔ ساری بات ہی یہی ہے کہ آزمائش کا مقصد اس کو پاس یا فیل کرنا نہیں ہے' ہمیں کچھ سکھانا ہے۔ ہم کبھی وہ فیل ہو کر سیکھتے ہیں کبھی پاس ہو کر۔ داؤدؑ کو جب اپنی کمی کا احساس ہوا تو وہ اللہ کی طرف پلٹے اور توبہ کی۔

آگے اللہ فرماتا ہے' ہمارے پاس اس کے لئے اعلیٰ درجہ ہے۔ اس آزمائش کے ذکر کے ساتھ ہی درجے کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آزمائش ہوتی ہی درجوں کی بلندی کے لئے ہے' تو کسی کوتاہی کے باوجود ان کو اعلیٰ درجہ کیوں مل گیا؟ آزمائش کے ذکر کے فوراً بعد درجے کا ذکر ظاہر کرتا ہے کہ یہ درجہ ان کی توبہ سے منسلک ہے۔ یعنی احمر شفیع' اگر ہم آزمائش میں فیل ہو جائیں' مگر سبق سیکھ لیں' اور توبہ کر لیں تو ہمیں پاس ہونے جیسا درجہ مل جاتا ہے۔ آزمائش اللہ اذیت دینے کے لئے نہیں کچھ سکھانے کے لئے ڈالتا ہے' جتنی جلدی سیکھ لیں گے اتنی جلدی وہ دور ہو گی۔'' احمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''تم اچھے آدمی ہو۔ میں نہیں ہوں۔ سمپل۔''

سعدی ابھی اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر دروازہ زور سے کھلا تو ان دونوں نے چونک کر دیکھا وہ تینوں تیزی سے اندر آ رہے تھے۔

''چلو۔ بی بی نے بلایا ہے۔'' ایک جھک کر اس کے ہاتھ کھولنے لگا۔ احمر نے چونک کے سعدی کو دیکھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تجربہ بولتا ہے۔'' اور سر کو خم دیا۔ احمر نے گہری سانس لی اور خود کو حالات کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا۔

.....❖❖❖.....

میری شناخت کے پتھر میں شکل باقی ہے ..... میرے وجود کے ذروں میں زندہ ہے کوئی

رات گہری مہیب سی اس ہوٹل بلڈنگ کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی۔ زمین سے دو منزلیں نیچے.... اس لفٹ میں زمر ایک کونے میں اکڑوں بیٹھی تھی' بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے اور تھوڑی ان پہ جما دی تھی۔ چہرہ زرد تھا۔ نظریں پانی کی دھار پہ لگی تھیں۔ فرش پہ ایک دو انچ جتنا گہرا پانی جمع ہو چکا تھا۔ اس کا لباس بھیگ رہا تھا' مگر اب وہ مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔ بس دھار کے بہتے قطروں کو دیکھ رہی تھی۔ ٹپ ٹپ.... وہ گویا اس کے دل پہ گر رہے تھے.... وہ بار بار چہرے پہ ہاتھ پھیرتی' ناخن دانتوں میں دباتی۔ وہ خوفزدہ تھی' ہراساں تھی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ کوئی ایسی شے نہ تھی جس کے سہارے وہ اوپر چڑھ جاتی اور انگریزی فلموں کی طرف لفٹ کا ڈھکن کھول لیتی۔ وہ بس ساکن بیٹھی تھی۔ سانسیں گن رہی تھی۔

قصرِ کاردار اس وقت رات کی تاریکی میں ڈوبا تھا۔ کہیں کہیں مدھم بتیاں جلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ فارس سڑک پہ رکی کار کے

ساتھ کھڑا تھا اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ چہرہ سپاٹ اور سرد سا تھا۔

دفعتاً گیٹ کھلا اور کوئی باہر آتا دکھائی دیا۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس' نیند سے پُر آنکھیں لئے نوشیرواں۔ ادھر ادھر دیکھتا سامنے آیا اور حیرت سے اسے دیکھا۔

''فینو نا نے مجھے اٹھایا کہ تم..... فارس تم ادھر کیا کر رہے ہو؟'' وہ اس کے عین سامنے کھڑا ہوا تو چہرہ چاند کی روشنی میں واضح ہوا۔ شیرو حیران اور الجھا ہوا لگتا تھا۔ ''دیکھو اگر تم مجھے مارنے آئے ہو تو یاد رکھنا' عدالت تم پہ....'' اس کے سنگین تاثرات دیکھ کر شیرو نے احتیاط سے بات شروع کی۔

''ہاشم نے زمر کو اغوا کر لیا ہے۔'' وہ چبا چبا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا تھا۔ شیرو گنگ رہ گیا۔ ''کیا؟''

''تمہارے بھائی نے زمر کو کہیں بلوایا ہے' میرے دھوکے میں' اور وہ چلی گئی ہے' اور اس کا اب کوئی پتہ نہیں ہے۔ وہ اسے مار دے گا' صرف مجھے اذیت دینے کے لئے۔''

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم لوگ مشہور ہو' ہاشم بھائی کبھی.....'' فارس نے جھٹکے سے اس کو گریبان سے پکڑا اور گاڑی سے لگایا۔

''بکواس بند کرو۔ مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے۔''

وہ ایک دم اس جارحیت پہ ڈر گیا تھا۔ ''مجھے نہیں پتہ' مجھے سچ میں نہیں پتہ۔'' فارس نے جھٹکے سے اس کو چھوڑا۔

''مجھے پتہ کر کے دو۔ ہاشم کے پاس جاؤ اور مجھے پتہ کر کے دو۔ وہ اس وقت آفس میں ہے۔ اس کے فون کے سگنلز وہیں کے آ رہے ہیں۔''

شیرو کو چند لمحے لگے بات سمجھنے میں۔ ''مجھے کچھ نہیں پتہ۔ یہ میرا معاملہ نہیں ہے۔ تم لوگ اپنے مسئلے خود سنبھالو۔'' اب کے وہ درشتی سے ہاتھ جھلا کے بولا تھا۔

''نوشیرواں!'' فارس نے بہت ضبط سے اس کو مخاطب کیا۔ ''تم نے اگر کچھ نہ کیا تو وہ مر جائے گی۔''

''وہ مجھے کورٹ میں پراسیکیوٹ کر رہی ہیں' ان کی وجہ سے میں مرنے جا رہا ہوں۔ میں ان کی مدد کیوں کروں گا؟ اور تمہیں کیا لگتا ہے' میں بھائی کو دھوکہ دوں گا اور تمہارے ساتھ مل جاؤں گا تو بھائی مجھے چھوڑ دے گا؟ بھائی مجھے جان سے مار دے گا۔'' وہ برہمی سے بولا اور سر جھٹک کر واپس گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''اگر آخر میں تم نے مرنا ہی ہے' تو کسی کے اقدامِ قتل کے جرم میں مرنے سے بہتر کسی کی جان بچا کر مرنا نہیں ہے کیا؟''

اس اندھیری رات' سڑک پہ آگے بڑھتے شیرو کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ بالکل سُن رہ گیا۔ گویا پتھر کا ہو گیا ہو۔

''اگر تمہیں مرنا ہی ہے تو کیا تم کسی لوزر کی طرح مرنا چاہتے ہو؟ کیا تم ساری عمر ایک لوزر رہو گے یا تم واقعی اپنے نام جیسے بننا چاہتے ہو؟ کیا تم ''نوشیرواں''..... ہیرو..... سپر ہیرو کی طرح مرنا چاہو گے' شیرو؟ اگر مرنا ہی ہے تو کیا تم اس زمر کے لئے مرنا چاہو گے جس نے تمہیں تمہارے کمپلیکسز سے نکال کر دنیا کے سامنے اُٹھ کھڑا ہونا سکھایا؟ کیا تم اس زمر کو بچانے کے لئے کچھ کرنا چاہو گے' جو اس سب میں تمہارے کیس کی وجہ سے پھنسی ہوئی ہے؟''

کسی خواب کی سی کیفیت میں نوشیرواں اس طرف واپس گھوما۔ ٹکر ٹکر وہ فارس کا چہرہ دیکھے گیا جو اس وقت بہت دکھی نظر آ رہا تھا۔ چاندی زدہ اندھیرا ماحول میں اُداسی کا رنگ گہرا ہوتا گیا۔ اور نوشیرواں اورنگزیب کاردار نے خود کو کہتے سنا۔ ''مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''دو آپشنز ہیں تمہارے پاس۔'' وہ چند قدم طے کر کے اس کے سامنے..... بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تو شیرو نے دیکھا' اس کی آنکھیں سرد تپش سے بھری تھیں اور چہرے پہ بلا کی سختی تھی۔

''یا تو میں تمہیں گن پوائنٹ پہ اپنے ساتھ لے جاؤں اور ہاشم سے کہوں کہ وہ زمر کو چھوڑ دے ورنہ میں تمہیں مار دوں گا۔''

''تم مجھے اغوا کر کے نہیں لے جا سکتے۔'' وہ ششدر سا بولا تو آواز حلق میں پھنسی۔

''لے جا سکتا ہوں مگر لے کر نہیں جاؤں گا کیونکہ ہاشم پھر بھی اسے مار دے گا' کوئی بھی مغوی کو زندہ واپس نہیں کرتا کہ وہ جا کر پولیس کو بیان دے دے' اور بدلے میں مجھے تمہیں مارنا پڑے گا' اور زمر یہ کبھی نہیں چاہے گی۔ اس لئے دوسرا راستہ یہ ہے کہ تم میری مدد کرو' ہاشم کے پاس جاؤ' اور پتہ چلاؤ کہ وہ کدھر ہے' مجھے اس جگہ کا بتاؤ' اور پھر میں اسے وہاں سے نکال لاؤں گا۔ نوشیرواں تمہارے پاس کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے کیونکہ اگر ہاشم نے اسے نقصان پہنچایا تو خدا کی قسم' میں تمہارے اس محل کو آگ لگا دوں گا۔'' وہ غصے سے بول رہا تھا۔ اس کا چہرہ اذیت سے پُر تھا۔

شیرواسے یک ٹک دیکھے گیا۔ فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہ تھا۔

.....❖❖❖.....

اِک بے کسی کا جال ہے پھیلا چہار سُو ..... اِک بے بسی کی دُھند ہے دل سے نگاہ تک

ہاشم کاردار کے آفس میں نیم اندھیرا تھا۔ دو کمپیوٹرز کی اسکرین روشن تھیں اور ہاشم ٹیک لگائے بیٹھا' سرد مہری سے اس اسکرین کو دیکھ رہا تھا جس میں وہ لفٹ کے کونے میں بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ خوفزدہ' سہمی ہوئی۔ پانی سے بھیگتی' اس کے پاؤں تقریباً ڈوب گئے تھے۔ موبائل گھٹنوں کے گرد لپٹے ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا اور پرس بھیگنے سے بچانے کو گھٹنوں میں دے رکھا تھا۔

''سر' پانی کا فلو زیادہ نہیں ہونا چاہیے؟ اس طرح تو اسے ڈوبنے میں گھنٹہ لگ جائے گا۔'' رئیس نے اسے پکارا۔ ہاشم نے دائیں بائیں نفی میں سر ہلایا۔

''اونہوں۔ اسی طرح چلنے دو۔ یہ زیادہ دلچسپ ہے۔ میں بعد میں یہ ویڈیو فارس کو دکھا دکھا کر پاگل کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ محظوظ ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس پُرتپش نگاہیں اسکرین پہ گاڑھے ہوئے تھا۔ انتقام کی آگ تھی کہ بجھائے نہ بجھتی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ ہاشم نے سر اٹھایا' پھر لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آ ٹھہری۔ چوکھٹ میں آبی کھڑی تھی۔ حیران' الجھی ہوئی۔

''ہاشم' کیا ہوا ہے؟ فارس کہاں ہے؟'' وہ ایک قدم اندر آئی۔ ہاتھ ہنوز ڈور ناب پہ تھا۔ رئیس اٹھا اور ایک کرسی اٹھا کر سامنے رکھی' گویا اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا ہو۔ ہر حرکت' ہر جنبش گویا طے شدہ تھی۔ وہ الجھن سے ان دونوں کو دیکھے گئی۔

''آؤ ریڈ۔ تمہارے لئے تو سجائی ہے یہ بساط۔ تم بھی تو دیکھو کہ وہ کتنا جری مرد ہے۔''

وہ متحیر سی کھڑی رہی۔ نیم اندھیرا آفس.... کونے میں اونچی میز پہ رکھا روشنیوں سے جگمگاتا ایکویریم.... اسکرینز کی نیلی روشنی سے دمکتے ہاشم اور رئیس کے چہرے۔ ماحول عجیب پُراسرار سا تھا اور آبی کے قدم جم گئے تھے۔ پھر بدقت وہ آگے بڑھی۔ قدم قدم اٹھاتی ہاشم کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ چہرہ اسکرین کی طرف موڑا۔ آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔ ذرا جھک کر دیکھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''دیکھو! وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ زمر ایک لفٹ میں قید ہے' اور وہ لفٹ جلد ایکویریم بننے جا رہی ہے' مگر وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں بیٹھو' اور میرے ساتھ یہ تماشہ آخر تک دیکھو۔ یہ بے چاری عورت اس کا آخری سانس تک انتظار کرے گی مگر وہ نہیں آئے گا۔ اس کی ساری بہادری' اس کی ساری جراتمندی اور دلیری آج تم دیکھ لوگی۔ بیٹھو نا ریڈ' کھڑی کیوں ہو۔''

آبدار کی نظریں اسکرین پہ ساکن ہو چکی تھیں گویا پتلیاں حرکت کرنا بھول گئی ہوں۔ بدقت ان بے یقین نظروں کا رخ اس نے ہاشم کی طرف پھیرا۔

''تم پاگل ہو چکے ہو۔'' وہ اسے واقعی اس وقت ذہنی مریض نظر آ رہا تھا۔

''عجیب بات ہے ریڈ' مگر پاگلوں نے اس دنیا کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ ذہین لوگوں نے پہنچایا ہے۔ سارے بم' سارے ہتھیار' ساری جنگیں' یہ سب ذہین لوگوں کے ذہنوں کی کارستانی ہیں۔ بیٹھو' اور تماشا دیکھو۔''

وہ شل سی کرسی کے کنارے بیٹھی۔ لب ادھ کھلے تھے' اور اسکرین پہ جمی آنکھیں پلک تک نہ جھپک پا رہی تھیں۔ ''تم اس کے ساتھ یہ کیوں کر رہے ہو؟''

''تمہارے فیصلے آسان کرنے کے لئے۔ اس کی اصلیت تمہیں دکھانے کے لئے۔ اس کے بعد تم اس پہ کبھی اعتبار نہیں کر سکو گی۔ وہ کبھی اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا آبدار۔''

آہستہ آہستہ آبدار کا ذہن جاگنے لگا۔ اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا۔

''تم واقعی اسے مار دو گے؟ صرف فارس کو نیچا دکھانے کے لئے؟''

''میرے اس کی طرف بہت سے حساب نکلتے ہیں' میں سب کو ایک ہی دفعہ میں بے باک کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم اس کے خاندان سے آخری بدلہ لے رہے ہو۔ اگر زمر کو کچھ ہوا تو.... وہ سب....'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ''وہ سب.... مر جائیں گے۔۔ مگر فارس اس کے بعد کیا کرے گا؟ وہ بدلہ لے گا۔'' وہ ٹیک لگائے' مطمئن سا بیٹھا تھا۔

''کیا تمہارے خیال میں میں اسے بدلہ لینے کے قابل چھوڑوں گا؟'' اس کی آواز کی سنگینی.... آبدار کی ہڈیوں کے اندر تک سرد لہر دوڑ گئی۔

''تم ایک تیر سے اپنے دشمنوں کو ختم کرنا چاہتے ہو۔ تباہ و برباد۔'' اس کی آواز میں دکھ سا بھر آیا' پھر جیسے وہ نیند سے جاگی۔ شل ذہن بیدار ہونے لگا۔ اس نے ہاشم کی طرف چہرہ گھمایا۔ ''ایسے مت کرو۔ وہ اچھی عورت ہے۔ زمر۔ اس کے ساتھ یہ مت کرو۔''

''اچھا' میرا خیال تھا تم اس کو ناپسند کرتی ہو۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔ اس نے بہت سے ذہنی مریض دیکھے تھے' یہ ان سے بھی الگ لگ رہا تھا۔

''ہاشم.... یہ مت کرو۔ پلیز۔ تم اس کو نہیں مار سکتے۔ لفٹ کھول دو۔ اسے نکالو۔'' وہ منت کرنے کے انداز میں آگے بڑھی' کہ خود کی بورڈ پہ کچھ دبائے' اسے نہیں معلوم کیا مگر کچھ دبا دے' لیکن ہاشم نے کہنی سے پکڑ کر اسے واپس کرسی پہ بٹھایا۔ ''آرام سے بیٹھو۔'' وہ غرایا تھا اور وہ سہم گئی۔ تنفس تیز ہو گیا۔

''ہاشم.... پلیز....'' پھنسی پھنسی سی آواز حلق سے نکلی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''اسے چھوڑ دو۔''

''یہ تو تمہارے فارس غازی پہ منحصر ہے۔ کہاں ہے وہ آبدار؟ کیوں نہیں آیا وہ؟ کیا اسے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' ساتھ ہی اس نے رئیس کو اشارہ کیا جو سامنے گونگوں بہروں کی طرح بیٹھا تھا۔ اس نے سر کو خم دیا اور کی بورڈ پہ کیز دبانے لگا۔ وہ زمر کے نمبر کی لوکیشن آن کر رہا تھا۔

مورچال میں حنین دل مسوس کر بیٹھی تھی۔ لاؤنج پہ پیر اوپر کیے۔ بار بار آنسو صاف کرتی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ ہاتھ میں زمر کا انکرپٹڈ فون تھا جس سے وہ بار بار فارس اور سعدی کو کال کرتی تھی۔ کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ تبھی نوٹیفکیشن کی آواز آئی۔ وہ چونک کر میز کی طرف جھکی۔ کھلے لیپ ٹاپ کی اسکرین پہ زمر کے فون کی لوکیشن جو پہلے مختلف جگہوں پہ بکھری نظر آ رہی تھی' اب صرف ایک جگہ موجود تھی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ جلدی سے فون پہ ٹائپ کرنے لگی۔ (یہ وہ فون تھا جو انکرپٹڈ تھا' اس کو ٹریس نہیں کیا جا سکتا تھا۔)

''زمر کے فون کی لوکیشن مل گئی ہے۔ وہ آپ کی پرانی یونیورسٹی میں ہیں۔''

اندھیر سڑک پہ وہ کار دوڑا رہا تھا۔ ساتھ ہی مسلسل اندر ابلتے غصے کو جھٹک کر دماغ کو آلودہ ہونے سے بچاتا تھا۔ وہ اور زمر ایک دفعہ

پھر ہاشم کی بساط کے مہرے بن گئے تھے اور وہ ان کی ڈوریں کھینچ رہا تھا۔ ایسا ایک دفعہ پہلے بھی ہوا تھا۔ یا شاید کئی دفعہ۔ وہ ہمیشہ اس سے مار کھا جاتا تھا۔ مگر آج نہیں۔ آج وہ زمر کو کچھ نہیں ہونے دے گا۔ آج وہ ہاشم کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

جیب میں رکھا بھدا موبائل بجا تو اس نے چونک کر کار آہستہ کی۔ وہ کتنی دیر سے بج رہا تھا' اس نے خیال نہیں کیا تھا۔ اس نے فون نکال کر دیکھا۔ حنین کا پیغام تھا۔ ایک دم اس نے بریک لگائی اور پھر فون فرنٹ سیٹ پہ ڈالتے' کار کا رخ موڑا۔ اسے لائبریری جانا تھا۔ یونیورسٹی کی لائبریری۔ وہ یادگار جگہ تھی۔ ان دونوں کے لئے۔

نیم اندھیر آفس میں وہ تینوں اسی پوزیشن میں بیٹھے تھے۔ آبی ہراساں نظر آتی تھی۔ اسکرین کے منظر سے زیادہ وہ بار بار ہاشم کا چہرہ دیکھ کر سہم جاتی تھی۔ وہ ایسا سفاک تو نہ تھا' ایسا ابنارمل بھی نہیں۔ یہ سب کیا ہوتا جا رہا تھا؟

تبھی باہر آوازیں آئیں۔ شور سا اٹھا۔ جیسے کوئی گارڈز سے بحث کر رہا ہو۔ رئیس چونک کر اٹھا' ساتھ ہی اسکرین کو بھی دیکھا۔ ''فارس نہیں ہوسکتا' اس کے موبائل کے جی پی ایس کے مطابق وہ تو لائبریری جا رہا ہے۔'' رئیس عجلت میں دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ ہاشم چونکا۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا۔

''شیرو؟ کیا ہوا؟'' ہاشم جگہ سے اٹھا۔ آنکھوں میں حیرت تھی۔ نوشیرواں ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس تھا' آنکھیں ہنوز خوابیدہ تھیں' اور منہ دھوئے بغیر آ گیا تھا غالباً۔ بس الجھا ہوا لگتا تھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ''کیا ہو رہا ہے بھائی؟''

''تم ادھر کیسے؟'' ہاشم کرسی کے پیچھے سے نکل کر اس کی طرف گیا۔ آبدار ذرا سا اسکرین کی طرف جھکی۔ کوئی ایسی کمانڈ جو وہ دبا سکے لفٹ کا دروازہ کھولنے کو۔ ''آہم۔'' مقابل بیٹھا رئیس کھنکھارا' اور پستول جیب سے نکال کر میز پہ رکھ دیا۔ آبی سست سی پڑ کے واپس پیچھے کو ہوگئی۔

''کیا آپ نے واقعی ڈی اے کو.....زمر کو غائب کروا دیا ہے؟'' وہ حیران تھا۔

''تمہیں کس نے کہا؟''

''فارس نے۔ وہ گھر آیا تھا۔''

''وہ گھر آیا تھا؟ گارڈز نے نہیں بتایا۔ اس نے نقصان تو نہیں کیا کوئی؟'' ہاشم تیزی سے بولا۔ ''ممی ٹھیک ہیں؟ اور سونی؟'' اس سارے میں وہ پہلی دفعہ مضطرب ہوا۔

''اوہو بھائی سب ٹھیک ہے۔ اس نے مجھے باہر بلایا تھا۔ کہہ رہا تھا میں زمر کو بچانے کے لئے اس کی مدد کروں' آپ سے پوچھوں کہ وہ کہاں ہے اور اس کو بتا دوں۔'' وہ اکتا کر کہتا آگے آیا اور جھک کر اسکرین کو دیکھا۔ آنکھوں میں چونکنے کا تاثر ابھرا۔ ''یہ لفٹ میں بند ہے؟ یہ کیسے کیا آپ نے؟''

''نوشیرواں درست کہہ رہے ہیں۔ یہ دیکھیں۔'' رئیس جلدی سے فارس کی لوکیشن چیک کرنے لگا۔ کچھ دیر پہلے وہ واقعی ان کے گھر والے علاقے میں موجود تھا۔

''اور کیا کہا اس نے؟'' ہاشم سنجیدگی سے پوچھتا واپس کرسی پہ بیٹھا۔

''یہی کہ اگر میں اس کی مدد کروں اور زمر کو بچا لوں تو وہ لوگ میرے خلاف کیس واپس لے لیں گے۔'' وہ جھک کر غور سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ ''آوچ' مگر اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔ یہ واقعی مر جائے گی کیا؟''

''تم نے اس کو کیا کہا؟'' ہاشم نے سپاٹ سے انداز میں پوچھا۔

''یہی کہ وہ اپنی شکل گم کرلے کیونکہ مجھے اس عورت کو بچانے میں دلچسپی نہیں ہے جو کورٹ میں مجھے پراسیکیوٹ کررہی ہے۔ وہ چلا گیا' مگر بھائی....'' وہ الجھن سے سیدھا ہوا۔ ''اس کو مار کے ہمیں کیا ملے گا؟''

''زمر مرجائے گی' فارس جیل چلا جائے گا۔ سعدی کے لیے ایک اور پلان ہے میرے پاس۔ ان کا خاندان ایک دفعہ پھر الٹ پلٹ ہوجائے گا اور وہ ہمارا پیچھا چھوڑ دیں گے۔ سمپل۔'' وہ اب گہرا سانس لے کر اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

''گڈ۔ کہاں ہے یہ ویسے؟''

''کل کی نیوز میں دیکھ لو گے۔'' وہ تلخی سے بولا۔ شیرو ''واٹ ایور'' کہہ کر سیدھا ہوا اور کندھے اچکائے۔ پھر آبدار پہ نظر پڑی تو چونکا۔ ''آپ بھی انوالوڈ ہیں؟ واؤ۔''

''میں نہیں الوالوڈ۔'' وہ چبا چبا کر بولی اور ایک ملامتی نظر ہاشم پہ ڈالی۔

شیرو نے ایک نظر اپنے حلیے کو دیکھا' پھر چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ ''میں ذرا.....فریش ہولوں۔'' ذرا سا کھسیا کر بولا۔

''بالکل!'' ہاشم نے ایک ناپسندیدہ نگاہ اس پہ ڈالی۔ شیرو باہر نکل گیا۔ راہداری عبور کی' اور اپنے پرانے آفس میں آیا۔ دروازہ بند کیا۔ تیزی سے باتھ روم میں داخل ہوا' یہ دروازہ بھی مقفل کیا' اور جیب سے فون نکالا' پھر ایک نمبر ڈائل کر کے اسے کان سے لگایا۔ ساتھ ہی بے چینی سے سنک کے اوپر آئینے میں خود کو دیکھنے لگا۔ اس کو اپنا چہرہ سخت مضطرب نظر آرہا تھا۔

''بولو۔'' فارس کی آواز سنائی دی۔

''یوشیور تمہارا یہ نمبر ٹریس نہیں ہورہا کیونکہ دوسرا تو ہورہا ہے؟''

''یہ نہیں ہوسکتا۔ تم بتاؤ' وہ کیا جو میں نے کہا تھا؟''

''ہاں۔ میں آفس آیا ہوں۔ بھائی کو بتایا تمہارے آنے کا۔ جو تم نے کہا وہ بھی۔ مگر.....'' وہ الجھا۔ ''اس طرح تو وہ مجھ پہ شک کرے گا' نہیں؟''

''یہ ضروری تھا' ورنہ وہ اچانک تمہارے بغیر وجہ کے آنے پہ شک کرتا۔ بتایا اس نے وہ کدھر ہے؟''

''نہیں۔ آبدار بھی یہیں ہے۔ کسی hostage کی طرح۔ بھائی نے زمر کا مجھے نہیں بتایا۔ مگر وہ اسکرین پہ نظر آرہی ہے۔ سی سی ٹی وی کی لائیو فیڈ میں۔'' فارس نے جھٹکے سے بریک لگائی۔ سارا جسم دہل کر رہ گیا تھا۔

''کیا؟ کدھر ہے وہ؟ وہ ٹھیک ہے؟''

''وہ کسی لفٹ میں ہے۔ اور اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔ وہ کونے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ خوفزدہ سی۔'' شیرو نے جھرجھری لی۔ ''اگر تم نے اسے نہ نکالا تو وہ مرجائے گی۔ ڈوب کر۔''

''کیسی لفٹ ہے؟ کوئی نشانی' کوئی سائن؟''

''دو طرف مرر لگے ہیں۔ آئینے۔ اور بیک پہ براؤن سی وال ہے۔ اور کچھ نہیں سمجھ آیا۔ میں اپنے بھائی کو دھوکہ دے رہا ہوں' میں بس اتنا کرسکتا ہوں۔'' وہ تلخ ہوگیا۔

''کچھ اور سمجھ آئے تو بتانا' اور میرے اوپر کوئی احسان نہیں کررہے تم۔ اپنے اور اپنے بھائی کے گناہوں کو دھونے کی کوشش کررہے ہو۔'' وہ تلخی سے بولا تھا اور فون بند کردیا۔ شیرو نے سر جھٹکا' فون جیب میں ڈالا اور منہ دھونے لگا۔

وہ واپس آیا تو سب اسی طرح بیٹھے تھے۔ آبی کہہ رہی تھی۔ ''میں اس کو پسند نہیں کرتی۔ بالکل بھی نہیں' مگر یہ وحشیانہ سلوک ہاشم۔ ایسا مت کرو۔ پلیز۔'' وہ منت کررہی تھی۔